بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

تینوں حصے یکجا

مولفہ

حضرتِ لسان القوم مسیحِ ملّت

محمد نعمت اللہ خاں صوفی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب : **ہمارا مذہب**

مولف : لسان القوم مسیح ملّت حضرت محمد نعمت اللہ خاں صوفیؒ

وفات : ۹/ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ م ۱۷/ اگسٹ ۱۹۶۴ء

تاریخ تد فین :۱۴/ شوال المکرّم ۱۳۸۴ھ م ۱۶/ فبروری ۱۹۶۵ء

بمقام : آستانہ حضرت بندگی میاں شاہ خوندمیر صدیق ولایتؓ (چاپانیر)

طبع سوم : 2014ء

ناشر : محمد محمود الحسن خاں صوفی ابن حضرت محمد نعمت اللہ خاں صوفیؒ

کمپیوٹر کتابت: **SAN** کمپیوٹر سنٹر، نئی سڑک، چینچل گوڑہ، حیدرآباد

Cell: 9959912642

ملنے کا پتہ

(۱) لطیف منزل 16-4-113/A چینچل گوڑہ، حیدرآباد

فون نمبر 040-24529112

(۲) SAN کمپیوٹر سنٹر، نئی سڑک، چینچل گوڑہ، حیدرآباد

سیل نمبر 9959912642

فہرست

حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہماری ہدایت کے لئے اپنے حبیب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا اور پھر نصرتِ دین کے لئے خلیفۃ اللہ میراں سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ہمیں اُن دونوں کی تصدیق کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ درود و سلام خاتمین علیہما السلام پر اور ان کی آل و اصحاب پر۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے بعد نصرت دین و احیائے اسلام کے لئے ایک داعی الی اللہ مامور من اللہ، دافع ہلاکت اُمّتِ محمدیہ ﷺ مبین کلام اللہ، خاتم دین محمدیہ، خلیفۃ اللہ امام مہدی موعود علیہ السلام کے آنے کی خوشخبری دی اور ان کے اوصاف و علامات بھی بیان فرما دیئے اور مہدیؑ کی بعثت ہونے پر اُمّت کا کیا فرض ہے وہ بھی بتلا دیا۔

بعثتِ مہدیؑ کے ضمن میں اُمّتِ مسلمہ تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طبقہ سرے سے بعثتِ مہدیؑ کی ضرورت کا منکر ہے۔ دوسرا طبقہ بعثتِ مہدیؑ کی ضرورت کا قائل ہے اور ظہورِ مہدیؑ کا منتظر ہے۔ تیسرا طبقہ حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی موعودؑ تسلیم کرتا ہے اور اب کسی مہدی کا منتظر نہیں ہے۔ اس طرح دوسرے اور تیسرے طبقہ میں تعین شخصی کا اختلاف ہے جس کی بنیاد علامات مہدی پر ہے۔ چنانچہ بعض ایسے سوالات یا اعتراضات جو اکثر شرائط و علاماتِ مہدیؑ کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے بعض چیزوں کی تشریح اس کتاب ''ہمارا مذہب'' میں آسان انداز میں پیش کی گئی ہے۔ چونکہ ایسے اعتراضات بار بار کئے جاتے ہیں اس لئے وقتاً فوقتاً ایسی کتابوں کی اشاعت بھی ضروری ہے۔

حضرت والد ماجدؒ کی تالیف ''ہمارا مذہب'' کے تین حصے ہیں جو عرصہ دراز سے نایاب ہو چکے تھے۔ حالات حاضرہ کے پیش نظر اقطاع ہند کی مہدویہ آبادیوں کی طرف سے ان کتابوں کی دوبارہ اشاعت کا شدید مطالبہ ہو رہا تھا۔ لہٰذا یہ کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے خاتمین علیہما السلام کے طفیل حضرت والد ماجدؒ کی تالیفات بغرض تبلیغ شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں عالی جناب شیخ چاند ساجد صاحب کا تعاون ناقابل فراموش ہے میں موصوف کا ممنون و مشکور ہوں کہ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کی اشاعت میں اپنا قیمتی وقت دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ متلاشیانِ حق کے لئے اس کتاب کے ذریعہ راہِ راست اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

فقط

محمد محمود الحسن خاں صوفی

ابن

لسان القوم مسیح ملت حضرت محمد نعمت اللہ خاں صوفی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲ / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ م ۱۴ / جنوری ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

دنیا میں جب کبھی معاشرہ بگڑا اوراس میں خرابی پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے اس کوسنوارنے کے لئے پیغمبروں اور رسولوں کو بھیجا۔حضرت سیدنا آدمؑ سے حضرت سیدنا ونبینا خاتم المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی ہدایت یافتہ آئے ان کی زندگی اس کی گواہ ہے

میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام کی وہ زمین جو آپ نے تیار کی تھی اپنی اصلی حالت میں قائم نہیں رہی۔قرآن کی نورانی تعلیم کے چہرے پر فلسفہ کی گرد آ گئی۔اس فلسفہ کی جس کی یونان میں پرورش ہوئی تھی۔ایسے وقت میں حق تعالیٰ نے حضرت امامنا سیدنا محمد مہدی موعود علیہ السلام کو مبعوث کیا۔حضرت امام موعود علیہ السلام نے جہالت‘ نقائص اور غلط تصوراتِ اسلامی وروحانی کی چادر کو جو ہر شعبۂ حیات پر محیط تھی‘ چاک چاک کیا۔فلسفہ اور روحانیات کے غلط تصورات کی دیواروں کو گرایا اور کتاب اللہ اور اتباع رسول اللہ ﷺ کی طرف لوگوں کی توجہ کو پلٹایا اور دعوتِ عام دی۔

ف : حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کی ولادت چودھویں جمادی الاول ۸۴۷ھ پیر کے دن ہندوستان کے شہر جونپور میں ہوئی۔آپ کی ظہور فرمائی سے آنکھوں کے پردے ہٹ گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ولایتِ موعودؒ کا تاج پہن کر آنے والے امام موعود کا کردار وہ مصطفائی کردار ہے جس کی شان رفیعہ کو احاطۂ بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔

تاریخ اور سیرت کی جملہ کتابیں حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کے تعلق سے کہتی ہیں کہ آپ اَجلۂ سادات بنی فاطمہ سے تھے۔آپ کا نام ’’سید محمد‘‘ تھا اور ابوالقاسم آپ کی کنیت تھی۔علاوہ اس کے یہ بھی بتاتی ہیں کہ آپ کے والد کا نام ’’سید عبد اللہ اور والدہ کا نام ’’بی بی آمنہ‘‘ تھا۔

حضرت امام موعود علیہ السلام کی ولادت کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ بھی بتایا ہے کہ بوقت ولادت آپ تمام نجاستوں سے پاک تھے۔اور کسی نے آپ کی معصوم عریانی کا مشاہدہ نہیں کیا۔

حضرت امام موعود علیہ السلام کے حرکات‘ سکنات اور اخلاق وعادات کے شان میں سیرت نگاروں نے تفصیل دی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جو حرکات وسکنات اور اخلاق وعادات تھے وہی حرکات وسکنات اور اخلاق وعادات آپ میں کلیۃً موجود تھے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو جو پیام دیا تھا آپ نے بھی وہی پیام دیا۔جونپور سے مکہ معظّمہ اور مکہ معظّمہ سے فراہ معلیٰ تک آپ نے جو پیام دیا وہ یہ تھا کہ

’’میں کوئی نیا مذہب نہیں لایا ہوں۔میرا مذہب کتاب اللہ اور اس کے رسولؐ کی اتباع ہے‘‘

آپ نے دنیا والوں کو یہ پیام پہنچاتے ہوئے ۱۹/ ذی قعدہ ۹۱۰ھ کو بمقام باغِ رحمت شہر فراہ علاقہ افغانستان میں اس دنیائے

فانی سے پردہ فرمایا۔

میں نے اپنی اس تالیف کا انتساب اُسی نورِ پاک سے کیا ہے جس کی نورانی ضیاء پاشیوں نے مسلمانوں میں قرآنی تصور کو تازہ کیا اور بے نور والوں کو معارف لُدنیہ کا خزانہ دیا۔ توحید خالص کی حقیقی تعلیمات سے عبد کو رب سے ملا دیا جو عین منشائے تخلیق انسانی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ اور کہنے کی اپنے آپ میں صلاحیت نہیں پاتا۔

اس کتاب میں جو کچھ ہے اُسی نورِ پاک کی بتائی ہوئی تعلیمات کا ایک پرَتو ہے۔

فقط

فقیر حقیر

محمد نعمت اللہ خاں صوفی

۲۰/ اگست ۱۹۵۶ء

......☆☆☆......

تاثرات

از جناب مولوی محمد نورالدین صاحب عربؔی

دنیا جہاں پہ سارے ظاہر ہمارا مذہب　صوفؔی نے کردیا ہے لکھ کر ''ہمارا مذہب''
جس دل کو وسوسوں نے ڈالا ہے گمرہی پر　آجائے راہ پر وہ پڑھ کر ''ہمارا مذہب''
اس کی مطالعہ سے ہوجائے تجھ پر روشن　قرآن سے نہیں ہے ہٹ کر ''ہمارا مذہب''
سنت کی پیروی میں ہم گامزن رہے ہیں　کھولے گا یہ حقیقت تجھ پر ''ہمارا مذہب''
ناواقفوں کو اب تو ہوجائے گا یہ معلوم　آیت ہے یا حدیثِ سرورؐ ''ہمارا مذہب''
وہم وگمان وظن سے لیتے نہیں ہیں ہم کام　سچ بولوں تجھ سے حق ہے یکسر ''ہمارا مذہب''
گو ہاتھ میں تو لے گا صوفؔی کا یہ نوشتہ　چھائے ترے دماغ و دل پر ''ہمارا مذہب''
یکدم تو چیخ اٹھے گا واللہ حق وہی ہے　جو پیش کررہا ہے ہم پر ''ہمارا مذہب''
عقلی دلائل اس میں مانند بیل بوٹے　کرتاہے پیش ِدل خوش منظر ''ہمارا مذہب''
قرآن اور سنن کے اس میں ہیں لالہ وگل　ہے ایک گلستانِ خوشتر ''ہمارا مذہب''
آثارِاولیاؒ کی اس میں رواں ہیں نہریں　اس آب سے سراسر ہے تر ''ہمارا مذہب''
ہر ایک سطر میں اس کی موتی جڑے ہوئے ہیں　افزوں نہو بہائیں کیونکہ ''ہمارا مذہب''
مضمون اس کا سارا جوش وخروش سے پُر　جذبات کو جگادے یکسر ''ہمارا مذہب''
تحریر میں یہ اپنی ہے ایک تیغ برآں　رکھتا ہے خود میں پنہاں جوہر ''ہمارا مذہب''
اے معترض تو اپنی آنکھوں کو کھول کر دیکھ　لے اب تو مثل شمس ہے اظہر ''ہمارا مذہب''

اس کو رکھیں گے عربؔی تعویذ ہم بناکر
ہم کو رکھے گا قائم حق پر ''ہمارا مذہب''

......☆☆☆......

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

پیش لفظ

مہدویان ڈبھوئی ضلع بڑودہ (علاقہ گجرات) کے بھائیوں نے قومی اور ملّی ضرورتوں کے پیش نظر ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عربیہ صدیقیہ کا قیام کیا۔

قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم کے سلسلہ میں اس امر کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی گئی کہ مذہب مہدویہ کی تعلیم کے سلسلہ میں ایسی کوئی نصابی کتابیں نہیں ہیں جو بچوں کو پڑھائی جاسکیں جو بچوں اور نوجوانوں کے مذہبی معلومات اور تعلیم کا باعث ہوں۔ یوں تو عالمانہ انداز میں دقیق زبان میں بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں مگر بچوں اور عام لوگوں کا ان کتابوں کو سمجھنا مشکل ہے۔ گجرات کے ماحول کے اعتبار سے سلیس اور آسان زبان میں رسالوں کی شکل میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ بنابریں ابراہیم بھائی' حاجی پیر بھائی کمپنی والوں نے جو مہدویہ تعلیمی سوسائٹی ڈبھوئی کے صدر بھی ہیں' مجھ سے خواہش کی کہ تحتانی اور وسطانی جماعتوں کے لئے مختلف حصوں میں نصابی رسالے لکھوں تا کہ ان کو مدرسہ میں جاری کیا جائے جن سے بچے' بڑے سب فائدہ حاصل کرسکیں۔ اس کے علاوہ اسلام کے دوسرے فرقوں سے ہٹ کر ملّت اسلامیہ مہدویہ کے جو خصوصی اور حقیقی اسلامی اعمال وعبادات ہیں' ان کی صحت اور تفہیم و تعلیم کے لئے بھی لکھوں تا کہ آئے دن جو سوالات ہوتے رہتے ہیں ان کے جوابات بھی ہو جائیں اور تشفی بھی ہو جائے۔

اس تحریک کی تائید میاں محمد حاجی خوبن بھائی ٹاور والوں نے کی جو مہدویہ تعلیمی سوسائٹی کے سکریٹری ہیں۔ راجے بھائی نمک والے کاروباری کمیٹی کے جملہ ممبران اور حاجی علی بھائی درویش اور کریم بھائی انصار وغیرہ نے بہت زور دیا۔ بلکہ تمام مہدوی بھائیوں نے مجھ پر تقاضہ شروع کردیا۔

میں اپنی بے بضاعتی کی وجہ حیران تھا کہ کیا کروں۔ کیوں کہ تصنیف وتالیف جید علماء کا کام ہے۔ میں کیا اور میرا مبلغ علم کیا اور تصنیف وتالیف کا مقام کہاں؟

جب میں نے دیکھا کہ میرے لئے گریز ناممکن ہے تو اللہ کا نام لے کر اور خاتمین علیہم السلام کا دامن تھام کر ارادہ کرلیا کہ جو مجھ سے ہو سکے لکھ دوں۔

چنانچہ اللہ کے فضل وکرم سے نصابی دو رسالے موسوم بہ "تعلیم الاسلام مہدویہ" حصہ اول و دوم لکھا۔ جس کو تمام نے نہایت پسند کیا۔ اس کے بعد ملت اسلامیہ مہدویہ کے خصوصی اعمال وعبادات جو قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے احکام واعمال کی خالص اتباعی حیثیت رکھتے ہیں' ان کے منجملہ صرف چار سوالات اور ان کے ضمنی کئی سوالات کے جوابات لکھے اور اس کا نام "ہمارا مذہب" رکھا۔ یہ حصہ اول ہے باقی اور سوالات کے جوابات دوسرے حصے میں لکھے جائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

ان کتابوں کی تالیف میں میاں محمد حاجی خوبن بھائی ٹاور والے اور راجے بھائی نمک والے اور حضرت مولانا سید شہاب الدین صاحب حمادی کے کتب خانوں سے مجھے بڑی مدد ملی۔ ان تینوں حضرات کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔

یہاں یہ بات بھی ظاہر کر دینی ضروری ہے کہ بڑودہ اور ڈبھوئی کے مہدوی بھائی نہایت نیک اور بے حد مخیّر واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے اب تک مذہبی تعلیم وغیرہ کے نام پر ہزاروں روپئے دیئے ہیں اور ہر وقت دیتے ہی رہتے ہیں۔ جن کی تفصیلات اور نتائج کو یہاں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

البتہ مدرسہ عربیہ صدیقیہ کے قیام کے سلسلہ میں جن جن مخیّر لوگوں نے حصہ لیا ہے اس کی تفصیل اور نتائج کو مدرسہ عربیہ صدیقیہ اور مہدویہ تعلیمی سوسائٹی ڈبھوئی کی سالانہ رپورٹ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ ''ہمارا مذہب'' کتاب کی طباعت میں جس قدر خرچ آیا اس کو حاجی چاند بھائی لوکھنڈ والوں نے قوی اور ملّی خدمت کے نظر کرتے اپنی طرف سے برداشت کیا ہے۔ رسالہ ''تعلیم الاسلام مہدویہ'' حصہ اول کی طباعت کریم بھائی کالو بھائی انصار نے قوم کے بچوں کی مذہبی تعلیم کے لئے اپنی طرف سے کروائی۔

رسالہ ''تعلیم الاسلام مہدویہ'' حصہ دوم کی طباعت راجے بھائی جمال بھائی نمک والوں نے اپنے بھائی کریم بھائی جمال بھائی مرحوم سابق صدر مہدویہ تعلیمی سوسائٹی کے ایصالِ ثواب کے لئے اور محمد بھائی رحیم بھائی گاندھی اور عبدالرحیم میاں بھائی پان والے اور فتح محمد ملک جی بھائیو روالے۔ ان چار لوگوں نے قومی بچوں اور نوجوانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے کروائی۔ حاجی علی بھائی درویش، ابراہیم بھائی انصار، یعقوب جی لافاوالے اور نجم الدین گاندھی نے بھی حصہ لیا۔ مہدویہ تعلیمی سوسائٹی ڈبھوئی نے ان کتابوں کو اپنے اہتمام سے طبع کروایا۔ مذہبی کتابوں کی طباعت کروانا جو حقیقت میں بچوں اور نوجوانوں اور عام لوگوں میں دینی معلومات کے اضافہ کا باعث اور ایمان کی پختگی کا سبب بنے حقیقت میں ثوابِ جاریہ کا موجب ہے۔

ان کتابوں کی تعلیم سے اگر ایک شخص نے بھی فلاح پالی تو ان کتابوں کو طبع کروانے والوں کی نجات کا باعث ہوگا۔

میں دل سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ تیرے دین کے احکام اور خاتمین علیہم السلام کے اتباع کے احکام کی اشاعت کرنے والوں کو اپنی خیر و برکت سے سرفراز فرما اور ان کی فلاح اور نجات کا باعث بنا۔ آمین۔

فقیر محمد نعمت اللہ خاں صوفی غفرلہ (حیدرآبادی)

۲۰/اگست ۱۹۵۶ء

......☆☆☆......

حصہ اول

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَفْضَلَ صَلوَاتِکَ وَعَدَدَ
مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَھۡدِیَّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

سوال: مہدوی فرض نماز ادا کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا کیوں نہیں مانگتے ؟

جواب: پہلے ہم اس سوال پر فطرت کے تحت غور کریں گے کیونکہ دینِ اسلام عین دینِ فطرت ہے۔ اور تمام احکامِ اسلامی عین فطرت کے تحت ہیں۔

مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص سے اگر کچھ مانگتا ہے تو کیا علانیہ اور پکار کر مانگتا ہے یا چھپا کر خفیہ طریقہ پر مانگتا ہے۔

فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ چھپا کر خفیہ طریقے پر مانگے۔ چنانچہ وہ اسی فطرت کے تقاضے کے تحت چھپا کر خفیہ طریقہ پر مانگتا ہے کبھی علانیہ سب کے سامنے کسی سے کوئی نہیں مانگتا۔ فطرت کے اس تقاضہ کے تحت ثابت ہوا کہ چھپا کر خفیہ طریقہ سے مانگنا چاہیئے۔

ف دوسری بات یہ کہ اگر کوئی کسی کا کچھ کام کرے تو اس کو اُس کام کے بدلے میں فوراً ہی معاوضہ مانگ لینا چاہئے یا وہ خدمت اللہ واسطے اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے کرنا چاہئے ؟

فطرت کا تقاضہ ہے کہ اگر کوئی کسی کی کچھ خدمت کرے تو اس کو معاوضہ حاصل کرنے کی نیت سے نہ کرنا چاہئے۔

ف اگر ہم نماز ادا نہ کریں تو کیا کوئی دعاء مانگا کرتے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ آٹھ آٹھ روز تک اللہ سے دعا تو کُجا اس کو یاد تک نہیں کرتے بلکہ اس کی نافرمانیوں میں لگے رہتے ہیں۔ جہاں ہم نے دو رکعت نماز ادا کی کہ مانگنا شروع کر دیا۔ یا اللہ ہمیں وہ دے' یا اللہ ہمیں یہ دے' گویا ہم دو رکعت نماز تک اللہ کے لئے نہیں پڑھتے بلکہ فوراً ہی اس کا معاوضہ مانگتے ہیں کہ یہ دے اور وہ دے۔ دعائیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ گویا ہم دعائیں کرنے ہی کے لئے اور نمازوں کا معاوضہ مانگنے ہی کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ کیا ایسی نمازیں پڑھنا اور عمل کرنا فطرت کے تحت مناسب اور صحیح بھی ہے؟

ف تیسری بات یہ کہ ایسی دعا نماز میں داخل ہے یا نماز سے خارج ہے؟ اگر نماز میں داخل ہے اور نہیں کی گئی تو یقیناً نماز میں خرابی آئے گی۔ اور اگر نماز میں داخل نہیں ہے بلکہ نماز سے خارج ہے تو اس کے نہ کرنے سے نماز میں خرابی نہیں آسکتی۔ جہاں نماز سے سلام پھیرا گیا' نماز ختم اور مکمل ہوگئی تو پھر نماز کے ختم اور مکمل ہونے کے بعد دعاء نہ مانگنے سے نماز پر اس کا کیا اثر پڑسکتا ہے؟

ف نماز پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ نماز خود سراپا دعاء ہے۔ سورہ فاتحہ ایک مکمل دعا ہے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اَفۡضَلُ الدُّعَاء اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِO

یعنی تمام دعاؤں سے افضل واعلیٰ دعا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ یعنی سورۂ فاتحہ ہے۔

غور کیجئے کہ کیا کوئی نماز ایسی بھی ہے جو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے بغیرادا کی جاتی ہو؟ کوئی ایسی نماز نہیں ہے۔ ہرنماز میں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ لازمی پڑھی جاتی ہے۔اس طرح ہرنماز میں دعا ہوتی ہے۔ایک فرض نماز ہی کا کیا سوال ہے۔اس کے علاوہ ہرنماز میں درود شریف کے بعد بھی دعا پڑھی جاتی ہے جس کو دعاء ماثورہ کہتے ہیں۔اس طرح گویا ہرنماز میں ہم دعاء ہی کرتے ہیں۔تو پھر خصوصاً فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا سوال کیا باقی رہ جاتا ہے؟

عبادت کے جس قدر بھی اعمال ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی قرآن مجید کے تحت اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے ارشاد واعمال کے تابع ہیں۔

قرآن حکیم اور اتباعِ حضرت رسول اللہ ﷺ سے ہٹ کر کوئی عمل، عمل وعبادت نہیں ہوسکتا خواہ وہ حسنہ ہی کیوں نہ کہا جائے۔کیونکہ کوئی عملِ حسنہ ایسا نہیں ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے ہٹ کر عمل کرنا اپنے تمام اعمال اور اپنی تمام عبادتوں کو خراب کر لینا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف حکم ہے کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَطِیۡعُو اللّٰہَ وَاَطِیۡعُو الرَّسُوۡلَ وَلاَ تُبۡطِلُوۡا اَعۡمَالَکُمۡO(سورۂ محمدؐ ۳۳)

یعنی اے ایمان والو اللہ کی اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ترکِ اطاعت سے (اطاعت سے ہٹ کر) اپنے اعمال کو خراب نہ کرو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے۔ بلکہ یہ سند ملتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگی۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے یہ حدیث موجود ہے کہ

عَنۡ اَنَسۡؓ کَانَ النَّبِیُّ صَلۡعَمۡ لاَ یَرۡفَعُ یَدیۡہِ فِیۡ شَیۡءٍ مِّنۡ الدُّعَاءِ اِلاَّ فِیۡ الۡاِسۡتَسۡقَاءۡ(بخاری شریف جلد ا صفحہ ۱۲۵)

یعنی حضرت انسؓ نے کہا کہ حضرت نبی صلعم کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، سوائے بارش کی دعاء کے۔

یہاں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ ہر وقت حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کے گھر کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی۔آپ حضرت رسول اللہ ﷺ کی جملہ عبادات سے خواہ وہ گھر کی ہوں یا مسجد کی ہوں اور جملہ اعمال سے پورے طور پر واقف تھے۔

اس لحاظ سے آپ کی روایت نہایت اہم ہے۔اگر حضرت رسول اللہ ﷺ فرض (نماز کے علاوہ دوسرے مقامات کی بحث یہاں غیر ضروری ہے) نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگا کرتے تو حضرت انسؓ کبھی ایسی حدیث بیان نہ کرتے کہ

''حضرت نبی ﷺ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے'' اس کے علاوہ سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

عن ابی ھریرہ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرب ما یکون العبد من ربہ ھو ساجد فاکثرو الدعاءo

یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ اگر تم کو دعا مانگنی ہے تو سجدے میں دعا کرو۔ کیونکہ سجدے کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

اب غلامانِ حضرت رسول اللہ ﷺ کا کیا فرض ہونا چاہئے؟ آیا حکم کی اتباع کریں یا اپنا دل جس طرح کہے ویسا کریں۔ اپنے دل کی اتباع اور اس کی اطاعت یقیناً صراطِ مستقیم کی طرف نہیں لے جاسکتی بلکہ اتباع و اطاعت حضرت رسول اللہ ﷺ ہی صراطِ مستقیم کی طرف لے جاسکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''اَطِیْعُو الرَّسُوْلَ''

یعنی حضرت رسول صلعم کی اطاعت کرو (سورہ النساء)

پس ارشاد حضرت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں سجدہ میں دعا کرنا لازمی اور ضروری ہوا۔

تمام اعضاء انسانی میں سر کو جو اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، جسم انسانی کے کسی عضو کو حاصل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دربارِ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا بہتر ہوگا یا اس کے دربارِ بے نیاز میں سر اور پیشانی کو خاک پر رکھ کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنی چاہئے؟ عاجزی اور خاکساری کی آخری اور انتہائی منزل سجدہ ہی ہے۔ اسی لئے حضور سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا کہ

''بندہ سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ پس تم سجدے میں دعاء کیا کرو''

چنانچہ مہدوی جس قدر بھی اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور مناجات کرتے ہیں وہ سجدے ہی میں کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے خاص دو رکعت نماز دوگانہ تحیۃ الوضو کی نیت سے ادا کر کے سجدے میں دعا کرتے ہیں جو عین احکامِ خدا کی اتباع اور اطاعتِ حضرت رسول اللہ ﷺ ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ایسی حدیث بھی ملتی ہے کہ ''نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے'' (کیونکہ موضوعات کی کمی نہیں ہے) ایسی صورت میں جب کہ دو مختلف احادیث ملتی ہوں تو کیا کیا جائے؟ اور کس حدیث کو ترجیح دی جائے؟ اور کیوں ترجیح دی جائے؟

آئمہ حدیث نے احادیث کے جانچنے اور صحیح ہونے کا یہی معیار قرار دیا ہے اگر احادیث میں اختلاف پایا جائے تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ قرآن مجید جس حدیث کی تائید کرے وہی حدیث صحیح ہوسکتی ہے ورنہ وہ حدیث صحیح نہیں۔

اس معیار کے مدنظر غور کیا جائے کہ روایت حضرت انسؓ بخاری شریف اور روایتِ حضرت ابو ہریرہؓ سنن ابوداؤد کی تائید قرآن مجید کرتا ہے کہ نہیں؟

چنانچہ قرآن مجید کے پارہ (۸) رکوع ۱۴ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (الاعراف ۵۵)

''تم اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ چھپا کر مانگو وہ حد سے گزرنے والوں کو نہیں چاہتا''

اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے روایت حضرت انسؓ بخاری شریف اور روایت حضرت ابو ہریرہؓ سنن ابوداؤد کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔

اور اس حکم رب العالمین سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس صاف وصریح حکم کے اتباع میں یقیناً سجدے ہی میں دعا مانگی ہوگی۔ کیونکہ حضور اکرم صلعم کا عمل یقیناً وایماناً عملی قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم اور حدیث وعمل حضرت رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں سجدے ہی میں دعاء کرنی فرض ہوگئی۔

اسی لئے مہدوی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگتے بلکہ سجدے میں دعا مانگا کرتے ہیں۔

اوپر بیان کی ہوئی آیت کریمہ اور حدیث حضرت رسول اللہ ﷺ کی علماء حدیث اور مفسرین بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت قرآنی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ **اى ذوى تضرع وخفية فان الاخفاء دليل الاخلاص ٥** یعنی چھپا کر اور عاجزی سے دعاء کرنا اخلاص کی دلیل ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ دعا کے سلسلہ میں معتبر بات یہی ہے کہ وہ چھپا کر کی جائے اور کئی وجوہات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کا حکم فرمایا ہے جو چھپانے سے نزدیک ہو یعنی چھپا کر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور امر کے صیغوں سے ظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان سے واجب ثابت ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **اِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْن ٥** یعنی وہ حد سے گزرنے والوں کو نہیں چاہتا۔ اس حکم سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہیں چاہتا جو دونوں حکم تَضَرُّعًا اور اِخْفَا سے دعا نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت سے مراد قبولیت اور ثواب ہے تو **اِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْن** کے یہی معنی ہوئے کہ ''جو لوگ عاجزی سے اور چھپا کر دعا نہیں مانگتے اللہ تعالیٰ ان کو قبول نہیں کرے گا اور کوئی ثواب نہیں دے گا۔ اور ان پر احسان نہیں کرے گا اور جو شخص اس صفت سے موصوف ہوگا وہ قابل عذاب ہوگا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔ غرض اُن لوگوں کے لئے سخت دھمکی ہے جو دعا کو چھپا کر اور عاجزی کے ساتھ نہیں کرتے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعاء کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ بلکہ خلافِ سنت رسول اللہ ﷺ اور خلاف حکم رب العالمین ہے۔ لہٰذا مہدویوں کا یہ عمل کہ

''فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعاء نہیں مانگتے''

عین سنتِ رسول اللہ ﷺ کا اتباع اور حکم رب العالمین کی اطاعت ہے۔ اور تقویٰ وفضیلت پر مبنی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَھۡدِیَّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

سوال : مہدوی رمضان کی ستائیسویں رات میں آدھی رات کے بعد اذاں دے کر عشاء کی نماز کے ساتھ دگانہ شب قدر فرض کی نیت سے ادا کرتے ہیں کیا ان کا یہ عمل قرآن مجید وحدیث کے تحت صحیح ہے؟

جواب: اس سوال میں دو باتیں بیان کی گئیں ہیں۔ایک یہ کہ مہدوی عشاء کی نماز اپنے وقت پر ادا نہ کرکے آدھی رات کے بعد کیوں ادا کرتے ہیں؟ دوسری یہ کہ دُگانہ شب قدر کی نماز فرض کی نیت سے ادا کرتے ہیں تو کیا اسلام کی پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ چھٹی نماز فرض کی جاسکتی ہے؟

پہلے ہم سوال نمبر ایک جو آدھی رات کے بعد کیوں ادا کرتے ہیں اس کا جواب دیں گے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کا جو حکم دیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ یعنی نماز قائم کرو۔اس حکم میں فرض اللہ تعالیٰ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ صرف نماز قائم کرو کہا گیا۔یہ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ کا حکم قرآن مجید میں کوئی (۷۰) مقامات پر آیا ہے۔مگر کہیں اس بات کی تفصیل نہیں ہے کہ کتنی نمازیں قائم کی جائیں؟ کون کونسے وقت قائم کی جائیں؟ کتنی رکعتوں والی نمازیں قائم کی جائیں؟ اس کی ادائی کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ کونسی نماز فرض کونسی واجب کونسی سنت کونسی نفل یہ سب کچھ نہیں صرف نماز قائم کرو کا ارشاد ہو رہا ہے۔

اس کی تعلیم حضرت رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں اور صحابۂ کرامؓ سیکھ رہے ہیں۔صرف دو نمازیں ادا ہو رہی ہیں۔ایک آفتاب نکلنے سے پہلے اور دوسری آفتاب غروب ہونے سے پہلے (غایۃ الاوطار) حضور اکرم صلعم کو معراج ہوتی ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوتی ہیں۔قرآن مجید کی آیت کریمہ بھی نازل ہوتی ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ٥ (النساء۱۰۳) معراج ہی میں عشاء کی نماز میں فرض وسنت کے علاوہ وتر کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔اس کے بعد ہر نماز کی تعلیم مکمل ہو جاتی ہے۔فرض،واجب اور سنتوں کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔ ہر نماز کی رکعتیں بھی مقرر کردی جاتی ہیں۔نمازوں کی ادائی کے طریقے کی بھی تعلیم ہو جاتی ہے۔

نماز کے لئے بلانے کا طریقہ بھی اذان کے ذریعہ مقرر ہو جاتا ہے۔اذاں کے الفاظ بھی مخصوص مقرر کردیئے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ پانچ نمازوں کے وقت بھی مقرر کردیئے جاتے ہیں اور ہر نماز کے ابتدائی وانتہائی اوقات بھی مقرر کردیئے جاتے ہیں

چنانچہ

(۱) نماز فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے آفتاب کے کنارے کے طلوع ہونے سے پہلے تک

(۲) نماز ظہر کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد سے ہر چیز کا سایہ سوائے سایۂ اصلی کے دو چند ہونے تک۔

(۳) نماز عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ سوائے سایۂ اصلی کے دو چند ہونے کے بعد سے غروبِ آفتاب تک۔ (آفتاب زرد ہونے کے بعد عصر کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ جائز ہے۔ (نورالہدایہ)

(۴) نماز مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے غروبِ شفق سفید تک

(۵) نماز عشاء کا وقت غروبِ شفق سفید کے بعد سے طلوع صبح صادق تک ہے۔

اب ایک مثال پر غور کیجئے کہ ظہر کی نماز کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد سے ہر چیز کے سایۂ اصلی کے سوائے دو چند ہونے تک ہے۔ فرض کر لیجئے کہ ایک بجے سے چار بجے یا ساڑھے چار بجے تک ہے۔ اگر ایک شخص ڈیڑھ بجے یا دو بجے کے بجائے ساڑھے تین بجے یا چار بجے یا اس کے بعد مگر وقت کے ختم ہونے کے اندر ظہر کی نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کی نماز یقیناً ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے شرع مبین نے جو وقت مقرر کیا ہے اس کے اندر نماز ادا کی ہے۔ اسی طرح عشاء کی نماز کا وقت غروب شفق سفید کے بعد کثرت سے تارے نکل جانے کے بعد طلوع صبح صادق تک ہے اگر ایک شخص نے ۸ یا ۹ بجے شب کے بجائے ایک بجے یا دو بجے رات کو عشاء کی نماز ادا کی تو اس کی نماز میں یا ادائی میں کوئی ہرج یا خرابی آ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں آ سکتی کیونکہ شرع مبین نے عشاء کی نماز کا جو وقت مقرر کیا ہے اس کے ختم ہونے سے پہلے اس نے نماز ادا کی یقیناً اس کی نماز ادا ہو گئی۔ اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں آ سکتی۔ یہ بھی شرع مبین کا قاعدہ اور قانون ہے کہ اگر کسی مسجد میں اس وقت اذاں نہ ہوئی ہو تو آخر وقت میں آنے والے مصلی کو چاہئے کہ پہلے اذاں دے کر وقت کی نماز ادا کرے۔

شرع مبین کے ان قاعدوں کے مطابق مہدوی رمضان کی ستائیسویں رات میں آدھی رات کے بعد اذاں دے کر جو عشاء کی نماز ادا کرتے ہیں وہ بالکل صحیح اور عین احکام خدا اور اطاعتِ شریعت حقہ اور حضرت رسول اللہ صلعم کے احکام و اعمال کے تحت ہے۔

اب آدھی کے بعد کی رات پر غور کیا جائے کہ اس وقت کی کیا اہمیت ہے۔ تہجد کی نماز کس وقت پڑھی جاتی ہے؟ کیا آدھی رات کے پہلے حصے میں پڑھی جاتی ہے یا آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر اور ثابت ہے کہ آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ کیوں؟ محض اس لئے کہ آدھی رات کے بعد کے اوقات اپنے فیوض و برکات اور انوارِ ربانی و تجلیاتِ رحمانی کے اعتبار سے خاص ہیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ ملائکہ یعنی فرشتے اس وقت میں بطور خاص اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ اولیاء کرامؒ جس قدر بھی عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے وہ آدھی رات کے بعد ہی کیا کرتے تھے۔ عبادت و ریاضتِ اولیاء اللہ کا وقت بھی آدھی رات کے بعد اور ولایت کی تمام عبادتیں آدھی رات کے بعد ہی ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ حدیث کی کتاب صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات کے تیسرے حصہ میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت بندہ مسلمان اللہ تعالیٰ سے جو مانگے وہ اسے عطا کرے''

نماز وتر پر غور کیا جائے یہ نماز عشاء کی نماز میں داخل ہے یا کیا؟ جو لوگ تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر اول وقت عشاء کی نماز ادا کر لیں تو وتر کی نماز نہیں پڑھا کرتے بلکہ باقی رکھ چھوڑتے ہیں اور تہجد کی نماز کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور جو لوگ تہجد نہیں پڑھتے عشاء

کی نماز کے ساتھ ادا کر لیتے ہیں۔ایسی صورت میں وتر کی نماز کو کس وقت کی نماز میں داخل کیا جائے آیا عشاء کی نماز میں داخل کیا جائے یا تہجد کی نماز میں داخل کیا جائے۔ایک عمل سے تہجد کی نماز کا ایک حصہ ثابت ہو رہی ہے دوسرے عمل سے عشاء کی نماز کا حصہ قرار پا رہی ہے اور اکثریت یہی ہے۔

چنانچہ آئمہ کرام میں بھی وتر کی نماز سے متعلق اختلاف ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وتر کی نماز واجب ہے اور شاگردانِ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام احمدؒ اس کو سنت کہتے ہیں۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد حنبلؒ کے نزدیک وتر کی نماز سنت ہے۔اور حضرت امام زفرؒ ان سب کے خلاف وتر کی نماز کو فرض کہتے ہیں۔

غور کا مقام ہے کہ یہ تمام آئمہ کرام معصوم نہیں ہیں۔ان سے غلطی اور خطا کا امکان ہے اور تمام قیاس سے کام لے رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہر امام کے پیروؤں کا اعتقاد ان کے امام کے کہنے پر ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کے پیروؤں کے پاس وتر کی نماز واجب ہوگئی۔حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد حنبلؒ کے پیروؤں کے پاس سنت ہوگئی۔اور حضرت امام زفرؒ کے پیروؤں کے پاس فرض ہوگئی۔

حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام زفرؒ کے پیروؤں سے کوئی پوچھے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کے دوسو برسوں کے بعد یہ چھٹی نماز کیسے فرض یا واجب ہوگئی جبکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اور جس کی ادائی کا امر معنوی بھی قرآن میں نہیں اور جس کی نوعیت کو احادیث بھی ظاہر نہیں کرتیں۔اس کے علاوہ وتر کی نماز کی تعداد رکعت میں بھی آئمہ کرام میں اختلاف ہے۔

الغرض اختلاف اور اکثریت کے عمل کے نظر کرتے وتر کی نماز کو عشاء ہی کی نماز میں داخل تصور کر لیا جائے تو پھر عشاء کی نماز کا ایک حصہ یعنی وتر[1] کو آدھی رات کے بعد کیوں پڑھا جا رہا ہے؟

ف حضرت امام اعظمؒ کے قول کے تحت مہدوی وتر کی نماز کو واجب سمجھتے ہیں اور واجب کی حیثیت سے ادا کرتے ہیں۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ عشاء کی پوری نماز ہو یا اس کا کوئی حصہ آدھی رات کے بعد پڑھا جا سکتا ہے۔اور خصوصاً اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک صالح بندے اور تہجد گذار لوگ آدھی رات کے بعد ہی نمازوں میں اور عبادتوں میں مصروف ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو جب معراج میں بلایا تھا اور آسمانوں کی سیر کرائی تھی۔انبیاء علیہم السلام سے ملاقات اور نمازیں ادا کروائی تھیں اور مقام وحدۃ میں داخل فرمایا تھا وہ کونسا وقت تھا؟ یہ سب کچھ آدھی رات کے بعد ہی ہوا تھا۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ آدھی رات کے بعد کا وقت خاص انوارِ ربانی اور تجلیات رحمانی کا وقت ہے۔اسی لئے مہدوی شب قدر کی خاص نماز دُگانہ لیلۃ القدر اسی خاص انوارِ ربانی اور تجلیاتِ رحمانی کے وقت ادا کرتے ہیں۔

اب راتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سال تمام کی بعض بعض راتیں عام راتوں پر بہت ہی فضیلت رکھتی ہیں۔مثلاً

[1] وتر کی نماز کی حقیقت اور اس کی کیفیات کیا ہیں یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہوگا۔اس لئے کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ تا کہ اللہ تعالیٰ کے عاشق اور طالب بندے اس سے فیض حاصل کر سکیں۔

شب برأت، شب معراج وغیرہ یہ کیوں؟ محض اس لئے کہ ان راتوں میں اللہ تعالیٰ کے خاص خاص برکات اور انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا ہے۔ ان راتوں میں بھی عبادات کس وقت کی جاتی ہیں آدھی رات ہی کے بعد کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں شب معراج اور احادیث شریف میں شب برأت کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ان راتوں کی عبادات بھی خاص فضیلت رکھتی ہیں مگر قرآن مجید میں ایسی خاص اہمیت سے ذکر نہیں کیا گیا جیسی کہ شب قدر کا کیا گیا ہے۔

شب قدر کی تعریف اور اس کی اہمیت ملائکہ کا نزول اور اس کی فضیلت کا بتلانا اور بطور خاص ایک سورہ اس کی شان میں نازل فرمانا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ محض اس رات کی عبادت کا بطور معنی حکم کرنا مقصود ہے اب غور کیجئے کہ ایسی اہمیت والی رات جو ایک ہزار مہینوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ ایسی رات کی عبادت کس وقت کی جانی چاہئے کیا اول وقت ہی میں ادا کر کے باقی رات کو کھودینا چاہئے یا اس خیر و برکت والی رات کے اس خاص الخاص وقت میں یعنی آدھی رات کے بعد ادا کرنی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ آدھی رات کے بعد انوارِ ربانی اور تجلیات رحمانی کے وقت ہی میں ادا کرنی چاہئے۔

اور ایک مسئلہ بھی ہے کہ نماز کے انتظار میں جو وقت گزرتا ہے وہ نماز ہی میں گزرنے کے برابر تصور کیا جاتا ہے۔ اب اس لحاظ سے غور کیا جائے کہ شب قدر میں آدھی رات کے بعد نماز ادا کرنے سے تمام رات عبادت میں گزرنے کے برابر ہو جاتی ہے

چنانچہ رمضان شریف کی پچیسویں رات میں حضور سرور کائنات صلعم کا عمل اور ارشاد اس بات کی شہادت دے رہا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھی گئی ہے کہ

''جبکہ پانچ راتیں رہیں یعنی پچیسویں رات ہوئی۔ ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ آدھی رات گئی پس میں نے کہا یا رسول اللہ کاش کہ ہمارے لئے اس رات میں زیادہ قیام کرتے یعنی آدھی رات سے زیادہ قیام کرتے تو بہتر تھا۔ فرمایا تحقیق (بے شک) آدمی جس وقت فرض نماز امام کے ساتھ پڑھتا ہے یہاں تک کہ امام فارغ ہوتا ہے۔ اُس کے لئے رات تمام کا قیام گنا جاتا ہے۔ یعنی عشاء اور فجر پڑھنے کے سبب سے تمام رات کے قیام کا ثواب حاصل ہوتا ہے''

اسی رات کی کیفیت کو حضرت محبوب سبحانی غوثِ اعظم دستگیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت رسول اللہ ﷺ پچیسویں رات میں تشریف لے آئے اور ہم کو نماز پڑھائی یہاں تک کہ آدھی رات اسی میں بسر ہو گئی بعد میں ہم نے عرض کیا اگر ہم اس رات میں نفل ادا کریں تو ہمارے واسطے یہ ہر صورت میں بہتر ہوگا۔ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اس وقت امام کے ساتھ کھڑا رہے جب تک وہ کھڑا ہو تو اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے''

(۱) مشکوٰۃ شریف کی حدیث شریف سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ رمضان کی پچیسویں رات میں حضورِ اکرم ﷺ نے آدھی رات تک نماز پڑھائی۔

دوسرے یہ کہ عشاء کی فرض نماز پڑھائی۔

تیسرے یہ کہ اس رات کی عشاء اور فجر کی نمازیں امام کے ساتھ پڑھنے سے تمام رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

اور حضرت محبوب سبحانی غوثِ الاعظم دستگیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے جو حدیث شریف حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے تحریر فرمائی ہے اس میں ایک اور بات معلوم ہوئی کہ

''حضور اکرم ﷺ نے اتنی دیر نماز پڑھائی کہ آدھی رات بسر ہوگئی'' اس کے بعد میں عرض کیا گیا کہ

''اگر ہم اس رات میں نفل ادا کریں تو ہمارے واسطے یہ ہر صورت میں بہتر ہوگا''

تو حضور اکرم ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ جواب دیا کہ

''اگر کوئی آدمی اس وقت امام کے ساتھ کھڑا رہے جب تک وہ کھڑا ہو تو اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے''

یعنی یہ کہ فرض نماز عشاء کی ادائی ہی میں پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ نفل نمازوں کی ضرورت نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ تمام رات قیام اور عبادت میں گزرنے کے برابر ہوگئی۔

ان تمام دلیلوں اور منزلوں کے بعد دیکھئے کہ

اس شب قدر کی ستائیسویں رات میں معلم کائنات حضور اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا عمل کیا؟ آیا اول وقت ہی نماز ادا فرمادی یا کونسے وقت میں ادا فرمائی؟ مشکوٰۃ شریف باب قیام شہر رمضان کی فصل ثانی میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

''پس جب کہ تین راتیں رہیں یعنی ستائیسویں رات ہوئی حضرتؐ نے اپنے اہل کو اور اپنی عورتوں کو اور لوگوں کو جمع کیا۔ پس یہاں تک ہمارے ساتھ قیام کیا کہ ہم ڈرے کہ ہم سے فلاح فوت ہوجائے۔ کہا راوی نے کہ فلاح کیا ہے؟ تو ابوذرؓ نے کہا کہ سحر کا کھانا پھر باقی مہینے میں یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب میں ہمارے ساتھ قیام نہ کیا''

اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی لکھا ہے۔

گویا صحاح ستہ کے چار آئمہ حدیثؒ نے اس روایت سے اتفاق کیا اور تفصیل سے ستائیسویں رمضان کی رات کی کیفیت اور مولائے کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عمل کو بتلایا ہے۔

اسی حدیث شریف کو حضرت ابوذر غفاری صحابیؓ کی روایت سے حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں تحریر فرمایا ہے۔

اس مستند حدیث کی تفصیلات سے صاف ظاہر ہے کہ

(۱) حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ نے رمضان شریف کی ستائیسویں رات کی نماز کا بڑا اہتمام فرمایا۔

(۲) خاص اپنے آل کو اور اپنی عورتوں کو بھی جمع فرمایا۔

(۳) اور لوگوں کو بھی جمع فرمایا۔ یعنی تمام مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کو بھی جمع فرمایا۔

(۴) اس اہتمام سے آپؐ نے اور کوئی نماز ادا نہیں فرمائی۔

(۵) آدھی رات کے بعد ہی عشاء کی فرض نماز پڑھائی۔

(۶) اتنی دیر تک نماز پڑھائی کہ سحری کھانے کا وقت ختم ہونے کا ڈر ہونے لگا۔

(۷) تراویح کی نماز نہیں پڑھائی (جس کا ثبوت آئندہ دیا جا رہا ہے)

ان تفصیلات کے ساتھ اس حدیث شریف پر چار زبردست ائمہ حدیث نے اتفاق کیا ہے یعنی یہ حدیث شریف صحیح اسناد کے ساتھ صرف ایک امام کے پاس نہیں بلکہ صحاح ستہ کے چاروں اماموں کے پاس پہنچی ہے جس کو چاروں آئمہ نے قبول کیا ہے۔ اس کے علاوہ صاحب کشف و کرامات حضور غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی اس حدیث شریف کو نہایت صحیح اور مستند قرار دیا اور اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں تحریر فرمایا''

حدیث شریف کی ان تمام تفصیلات کے مقابل اور روشنی میں مہدویوں کے عمل کو دیکھئے۔ رمضان شریف کی ستائیسویں شب قدر کی نماز کس اہتمام سے ادا کرتے ہیں؟

اس شب قدر کی نماز میں وہ سارا اہتمام کرتے ہیں جو حضور معلم کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس رات میں وہی اعمال کرتے ہیں جو حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اور اُسی وقت نماز پڑھتے اور ختم کرتے ہیں جس وقت حضور امام الکائنات حضرت رسول اللہ ﷺ نے ختم فرمائی۔ گویا مہدویوں کے اس رات میں جس قدر عبادات اور اعمال ہیں عین سنت حضرت رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اس متبرک اور نہایت قدر والی رات میں مہدوی تراویح کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟

شرع مبین نے عبادات کے چار اقسام مقرر کئے ہیں۔

ایک فرض :۔ جو دلیل قطعی سے بہ صیغہ امر ثابت ہو۔ اس کی دو قسم ہیں ایک فرضِ عین دوسرا فرضِ کفایہ۔ فرض عین اس کو کہتے ہیں جس کی ادائی ہر عاقل بالغ پر بلا عذرِ شرعی فرض ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ فرضِ کفایہ اس کو کہتے ہیں جو بعض لوگوں کے ادا کرنے سے سب کی جانب سے ادا ہو جائے۔ جیسے نماز جنازہ۔

دوسرا واجب :۔ جو دلیلِ ظنی سے ثابت ہو۔ جس کا ترک کرنے والا گنہگار اور قابلِ عذاب ہے۔ دلیلِ ظنی وہ ہے کہ اس کے ثبوت میں ائمہ کرام میں اختلاف ہو۔ جیسے نماز وتر اور نماز عیدین وغیرہ

تیسری سنت :۔ جس کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے اکثر کیا ہو اور جس کی ادائی کے لئے تاکید فرمائی ہو۔

سنت کی دو قسم ہیں۔ ایک موکدہ اور دوسرے غیر موکدہ، سنت موکدہ اس کو کہتے ہیں جس کی ادائی کے لئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی ہو اور خود بھی ہمیشہ اس کو ادا فرمایا ہو۔ جیسے نماز فجر و ظہر و عشاء کے ساتھ کی سنتیں۔

سنت غیر موکدہ وہ ہے جس کی ادائی کی نسبت حضرت نبی کریم ﷺ نے تاکید نہ فرمائی ہو اور کبھی کبھی خود بھی اس کو ترک فرمایا ہو جیسے فرض عشاء کے قبل چار رکعت سنت۔ اس کے ادا کرنے میں ثواب ہے اور اس کے ترک کرنے میں عذاب نہیں۔

چوتھا مستحب :۔ جو فرض اور واجب اور سنت کے سوا اس سے زائد ہو۔ اس کے ادا کرنے پر ثواب حاصل ہوتا ہے اور ترک کرنے پر عذاب نہیں۔

اب غور کیجئے اور بتایئے کہ نماز تراویح عبادات کی کونسی قسم میں داخل ہے؟ فرض یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ ہمارا غور اور ہماری فکر کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہم کسی عبادت کو کسی حکم میں اپنی طرف سے داخل نہیں کر سکتے۔ ہم کو شرع مبین، آئمہ کرامؒ اور احادیثِ حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

چنانچہ حضرت امام العرفان محبوب سبحانی غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کے باب تراویح میں صحیح مسلم حدیث کی کتاب کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ

''نمازِ تراویح باجماعت مستحب ہے''

اس کے علاوہ مشکوٰۃ شریف کے باب تراویح میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے یہ حدیث صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ تراویح کی رغبت دلاتے تھے اور تاکیدی حکم نہیں فرماتے تھے''

پس فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان میں اعتقادِ صحیح کے ساتھ طلبِ ثواب کے واسطے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لئے تراویح پڑھے، بخشے جاتے ہیں اس کے گناہِ صغیرہ۔

پس رسول اللہ ﷺ کے آخر وقت تک یہی امر تھا۔ اور خلافتِ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی یہی عمل تھا یعنی جو کوئی ثواب کے واسطے چاہتا بطورِ خود پڑھ لیتا۔ جماعت مقرر نہ تھی اور خلافتِ حضرت عمرؓ کے اول زمانہ میں بھی یہی عمل تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جماعت کا حکم دیا''

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ حضرت امام العرفان محبوب سبحانی غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں باب تراویح میں حضرت ابو ہریرہؓ اور صحیح مسلم کے حوالے سے اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ

''حضرت پیغمبر ﷺ نے ایک ہی رات تراویح کی نماز پڑھی۔ اور بعض کا قول ہے کہ دو رات اور بعض کہتے ہیں کہ تین رات نمازِ تراویح پڑھی ہے۔ (اتباع سنت میں مہدوی رمضان کی ابتدائی تین راتوں میں تراویح لازماً پڑھتے ہیں اس کے علاوہ مہدویہ کے بعض خاندانوں میں دس دن اور بعض خاندانوں میں پورا مہینہ تراویح پڑھتے ہیں۔)

اس کے بعد پیغمبر خدا ﷺ اصحاب کے پاس تشریف نہیں لائے حالانکہ وہ آپ کے منتظر رہے اور اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ''اگر میں اس وقت نکل آتا تو تم لوگوں پر تراویح کی نماز فرض ہو جاتی۔''

''پس حضرت عمرؓ کی خلافت کے دنوں میں ماہ رمضان کا سارا مہینہ تراویح پڑھی گئی اسی واسطے یہ نماز انہیں کی طرف منسوب ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ

(ا) حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ نے رمضان شریف کی اول صرف تین راتوں میں نماز تراویح پڑھی اور پڑھائی ہے مگر

تاکیدی حکم نہیں فرمایا۔

(۲) رمضان کی باقی راتوں میں نماز تراویح پڑھی اور نہ پڑھائی۔

(۳) ایسی صورت میں صاف بات ہے کہ رمضان کی ستائیسویں رات میں بھی حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح نہیں پڑھی بلکہ عشاء کی نماز ادا فرمائی۔

ان ارشادات اور اعمال حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں ثابت ہوا کہ اس متبرک اور نہایت قدر والی رمضان کی ستائیسویں رات میں مہدویوں کے جس قدر بھی اعمال اور عبادات ہیں عین اتباع حضرت رسول اللہ ﷺ میں ہیں۔

اب ہم سوال کا دوسرا حصہ کہ

''مہدوی دُگانہ شب قدر کی نماز فرض کی نیت سے ادا کرتے ہیں تو کیا اسلام کی پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ چھٹی نماز فرض کی جا سکتی ہے؟'' کا جواب دیں گے۔

حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ کے ظاہر کو نبوت اور حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ کے باطن کو ولایت کہتے ہیں۔

محققین صوفیاء کرام کا تسلیم کیا ہوا اور مانا ہوا مسئلہ ہے کہ کوئی نبی اس وقت تک نبوت کے منصب پر آنہیں سکتا تاوقتیکہ اس کو پہلے ولایت کا درجہ نہ ملے اور یہ بھی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر نبی کو مشکوٰۃ ولایتِ محمدی ﷺ سے ہی فیض ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قربت اور نزدیکی کو مقامِ ولایت کہتے ہیں اور احکام و فیضانِ الٰہی کی تقسیم کے مقام کو مقام نبوت کہتے ہیں۔ یعنی نبی مشکوٰۃِ محمدی ﷺ سے احکام و فیضان الٰہی حاصل کرتا ہے۔ اور مخلوق کو پہونچاتا ہے۔ مقام نبوت پر یہ احکام الٰہی بذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں جس کو قرآن کی زبان میں وحی کہتے ہیں۔

سرور کونین حضرت رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی نبوت کا اظہار فرمایا تو سنت اللہ کے قاعدے کے مطابق یہاں بھی احکامِ الٰہی وحی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوئے جس کے مجموعہ کا نام قرآن مجید ہے۔

چونکہ نزول احکام الٰہی کے اعتبار سے دین کو مکمل کر دینا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ آخر میں احکامِ نبوت کے ساتھ ساتھ احکام ولایت بھی نازل فرما دیئے۔ کیونکہ اس کے بعد اور کوئی کتاب الٰہی آنے والی نہیں تھی۔

اس آخری کتاب الٰہی کی آخری اور مکمل تعلیم کے لئے حضور معلم کائنات سردار دو جہاں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو روانہ فرمایا۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کے ذریعہ قولی تعلیم آپؐ کے اعمال کے ذریعہ عملی تعلیم آپؐ کے سراپا حال کے ذریعہ حالی تعلیم اور آپؐ کے اسرار کے ذریعہ اسرار کی تعلیم مکمل ہو جائے۔

چونکہ حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دین اسلام اپنے ابتدائی منازل میں تھا اور علم الاسلام و علم الایمان جو قرآن حکیم کے دو اہم حصے ہیں پہلے انہیں احکام کی تعلیم مکمل ہونی تھی اس لئے انہیں احکام پر زیادہ توجہ کی گئی۔

اب رہ گئی ولایت کے احکام کی تعلیم جو نبوت کا باطن ہے جس کو قرآن کی زبان میں علم الاحسان کہتے ہیں۔

نبوت کے زمانہ میں اس کی بھی تعلیم ہوئی لیکن خاص طریقے پر' صلاحیت اور قابلیت کے اعتبار سے ہوئی۔ مگر عام تام بطور

دعوت نہیں ہوئی جس طرح کہ احکامِ نبوت یعنی علم الاسلام اور علم الایمان کی تعلیم عام تام بطور دعوت کی گئی۔

یہاں اِس حقیقت کو بھی ظاہر کر دینا ضروری اور مناسب ہوگا کہ حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ نے اگر چیکہ احکامِ ولایت یعنی علم الاحسان کے احکام کی قولاً بطور دعوت تعلیم نہیں فرمائی مگر فعلاً وحالاً تو عام تام اس کا اظہار فرمایا۔لیکن عام لوگوں نے اس کو سمجھا نہیں۔جن لوگوں میں نورِ بصارت تھا انہوں نے حضور مکرم حضرت رسول اللہ ﷺ کو احکامِ ولایت پر عمل کرتے دیکھا۔جن لوگوں میں نورِ عقل وفہم تھا انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے حال کو اور احکامِ ولایت کو سمجھا اور عین مطابق پایا۔تفصیلات کا اس وقت موقع نہیں صرف چند مثالیں سمجھ میں آنے کے لئے پیش کر دی جاتی ہیں۔

مثلاً احکام ولایت میں سب سے پہلا حکم ترکِ دنیا کا ہے۔جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ تجارت، زراعت، ملازمت اور تمام معاش کے ذریعوں کو ختم کر کے اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا ہے۔

ترک دنیا کی باطنی کیفیت اور مقامات کا بیان یہاں غیر ضروری ہے۔اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا گیا آئندہ کسی اور موقع سے کیا جائے گا انشاءاللہ تعالیٰ تاکہ اللہ کے عاشق اور طالب بندے فیض پاسکیں۔

چنانچہ ترک دنیا کے اسی مطلب اور کیفیت کو حضرت امام العرفان محبوب سبحانی غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب ''فتوح الغیب'' میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

پھلی منزل خلقت اور کسب پر بھروسه:۔

''اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے بے واسطہ نعمتوں سے محروم ہے کہ تو خلقت، اسباب، صنعت اور کسب پر بھروسہ کرتا ہے۔خلقت تجھ کو مسنون طریق سے کما کر کھانے سے روکتی ہے جب تک تو خلقت کے فضل و بخشش کا امیدوار ہے ان کے دروازوں پر سوال کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلقت کو شریک بنانے والا ہے اور اپنے کسب اور حلال کمائی سے نہ کما کر کھانے کے باعث اللہ تعالیٰ تجھ کو عذاب کرے گا''

دوسری منزل کسب پر بھروسه اور اطمینان :۔

''پھر جب تو خلقت کی طرف متوجہ ہونے سے توبہ کرے اور اسے پروردگار کے ساتھ شریک نہ بنائے گا اور کسی کسب کو اختیار کرے گا اور اسی سے کما کر کھائے گا اور اس کسب پر بھروسہ کرے گا اور اس پر مطمئن ہو جائے گا۔اور اللہ کے فضل وکرم کو بھلا دے گا تو پھر بھی تو مشرک ہوگا۔فرق صرف اتنا ہے کہ یہ شرک پہلے کی نسبت اخفی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ تجھ کو عذاب کرے گا۔اور اپنے فضل وکرم سے بے واسطہ رزق پہونچانے سے تجھ کو محروم کر دے گا''

تیسری منزل تمام واسطوں اور اسبابوں کو ترک کرکے صرف الله تعالیٰ کے حواله کردینا :۔

''جب تو اس سے توبہ کرے گا اور اس کے واسطے شرک کو اٹھا دے گا اور کسب اور حیلہ اور قوت پر بھروسہ کرنا چھوڑ دے گا اور خدائے تعالیٰ کو رازق مطلق جانے گا۔کیونکہ وہی سبب بنانے والا، آسان کرنے والا اور کسب کی طاقت بخشنے والا۔اور ہر بھلائی کی توفیق دینے

والا ہے اور بندوں کی روزی اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

کبھی تو تجھے لوگوں سے سوال کرنے پر روزی دیتا ہے۔

اور کبھی کسب کے معاوضہ میں روزی پہونچاتا ہے

اور کبھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے پر تجھے رزق ملتا ہے۔

پس تجھے چاہئے کہ تمام واسطوں اور اسبابوں کو ترک کر کے خدا کی طرف ہی متوجہ ہو اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔

جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور تیرے درمیان جو پردہ ہے وہ اٹھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تجھے ہر وقت اندازۂ حال کے موافق بے واسطہ رزق پہونچائے گا۔

اس ارشاد گرامی کی روشنی میں دیکھئے کہ کیا مہدویہ مرشدانِ طریقت و بزرگانِ دین کا عمل اسی اصول پر نہیں ہے؟

ترک دنیا کے مقامات کو سمجھ لینے کے بعد حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ کی پاک زندگی پر نظر کیجئے۔

آپ نے اپنی نبوتِ حقہ کا اعلان فرمانے کے بعد کیا کسب فرمایا؟ تجارت فرمائی؟ زراعت فرمائی؟ ملازمت فرمائی؟ کچھ نہیں فرمایا صرف تبلیغ حق فرمائی کیا حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے آپؐ تارک دنیا نہیں ثابت ہو رہے ہیں؟ اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہو رہا ہے کہ

لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

چنانچہ عملاً آپ آبادی ہی میں رہتے ہیں۔ کسی جنگل کے گوشے یا کسی عبادت خانہ میں مقید نہیں ہوتے احکام دین حق کی تبلیغ بھی فرمارہے ہیں اور تعلیم بھی۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکالیف اور مصائب جھیلے جارہے ہیں اور صبرِ جمیل کا بھی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ مذہبی اور دینی جنگ میں بھی شرکت ہو رہی ہے اور صلح نامے بھی مرتب کئے جارہے ہیں۔ فتوحات بھی ہو رہی ہیں' احکامِ مملکت کی عملاً تعلیم بھی ہو رہی ہے ازدواجی زندگی کے بھی حامل ہیں۔

حیات پاک کے ان نمونوں سے ''لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ'' کو عملاً ثابت کیا جارہا ہے۔ ترک دنیا کے ساتھ توکل تام پر بھی عمل کیا جارہا ہے۔ چنانچہ پیٹ پر تین تین پتھر باندھے جارہے ہیں مگر دستِ سوال دراز نہیں کیا جارہا ہے اور نہ اس کے لئے کوئی اسباب اور ذرائع ڈھونڈے جارہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ جو کچھ آرہا ہے مہاجر و انصار میں تقسیم کر دیا جارہا ہے۔

کیا سردارِ دو جہاں حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے آپؐ کا توکّل کے حکم پر کامل عمل نہیں ثابت ہو رہا ہے؟

اسی طرح ایک طرف نبوت کی عبادت پنج وقتہ نماز کی پابندی ہو رہی ہے تو دوسری طرف ولایت کی عبادت تہجد کی نماز اور تمام رات عبادت و ریاضت اور ذکر اللہ میں گزاری جارہی ہے۔

ایک طرف ذکر دوام جاری ہے تو دوسری طرف ہجرت کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔

الغرض تمام احکام ولایت پر پورا پورا عمل کیا جارہا ہے اور شدت کے ساتھ عمل کیا جارہا ہے جس سے فرض کی نوعیت عملاً ظاہر ہے۔ بات صرف یہ باقی ہے کہ ان کی فرضیت کا اعلان اور اس کی تبلیغ بطورِ دعوت نہیں کی گئی۔ کیوں نہیں کی گئی؟ اسلئے کہ قرآن حکیم کی

بلاغت اور حکمت کو وہی بخوبی جان سکتا ہے جو اس کا مخاطب ہے۔ اسی حکمت بالغہ کے پیش نظر تقاضائے وقت اور مصلحتِ قرآن کے تحت دعوت نہیں کی گئی جس کی کئی مثالیں قرآن حکیم میں موجود ہیں انہیں احکام ِ ولایت متعلق بہ علم الاحسان کی تبلیغ بطور دعوت کی تکمیل ہی کے لئے فرمایا گیا ہے کہ

''میری امت کیسے ہلاک ہوگی جب کہ میں اس کے اول حصہ میں ہوں اور عیسیٰ ابن مریمؑ اس کے آخر حصہ میں ہیں۔ اور مہدی جو میری اہل بیت سے ہے اس کے درمیانی حصہ میں ہے''

(مشکوٰۃ شریف' مسند امام احمد بن حنبل بروایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ' کنز العمال بہ روایت حضرت علیؓ)

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ

امت محمدی ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں یعنی اول حصہ میں احکام نبوت یعنی علم الاسلام اور علم الایمان کی تبلیغ اور تعلیم ہوگی۔ اور امت محمدیؐ کے درمیانی حصہ میں احکامِ ولایت یعنی علم الاحسان کی تبلیغ اور تعلیم ہوگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں احکام نبوت علم الاسلام اور علم الایمان کی تبلیغ و تعلیم ہوئی۔ اور امت محمدی ﷺ کے درمیانی حصہ میں حضرت امامنا وسیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے زمانہ میں احکامِ ولایت علم الاحسان کی تبلیغ و تعلیم ہوئی۔ جن احکام ِ ولایت متعلق بہ علم الاحسان پر قرآن حکیم کی حکمتِ بالغہ کے تحت خود حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ نے بحیثیتِ فرض عمل فرمایا مگر امت پر اس کی تبلیغ نہیں فرمائی تھی۔

بموجب بشارات وعلاماتِ احادیث حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے تشریف لاکر ان احکامِ ولایت کے فرض کا اعلان اور تبلیغ بطورِ دعوت فرمائی۔

حضور حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے جہاں اور احکامِ ولایت کو بموجب احکامِ قرآن حکیم و بہ اتباع عملِ حضور معلم کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ فرض فرمایا وہیں دُگانہ شب قدر کو بھی فرض فرمایا۔ چنانچہ شب قدر میں حضور سردارِ دوعالم حضرت رسول اللہ ﷺ نے جس اہتمام سے عبادت فرمائی وہ حدیث متواتر جو صحاح ستہ کے چار زبردست آئمہ حدیث کی مستند حدیث ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ حضور سرور کونین حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرض کی نوعیت اور اہمیت کی مانند ادا فرمایا ہے۔

ان تفصیلات اور حالات سے حضور حضرت امامنا وسیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے فرمان کی نا قابل فراموش حقیقت آشکارا ہوگئی جو فرمایا تھا کہ

" مذھبِ ما کتاب اللّٰہ واتباع رسول اللّٰہؐ"

یعنی ہمارا مذہب اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع ہے۔

حضور امامنا سیدنا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے فرمان سے ثابت ہورہا ہے کہ مہدویوں کا مذہب اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ہے گویا خالص دین اسلام ہے۔

مناسب ہوگا کہ حدیثِ متواتر کا مقام سمجھ لیا جائے۔ تاکہ مقام امام مہدی موعود علیہ السلام کے سمجھنے میں آسانی ہوجائے۔

جب مقام امام مہدی علیہ السلام سمجھ میں آجائے گا تو ہر مسئلہ آسان اور صاف ہوجائے گا۔

قرآن مجید کے قابلِ اعتماد ہونے اور قطعی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ صرف یہی کہ وہ نقل متواتر کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے۔ اس طرح کہ حضور سرورِ کونین حضرت رسول اللہ ﷺ کی زبان پاک سے سن کر پہلے صحابہ کرامؓ نے نقل کیا۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجماع نے اس کو ترتیب دیا اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے سامنے تابعینؒ نے اس کی ہزاروں نقلیں کیں۔ اس کے بعد تابعینؒ ہی کے سامنے تبع تابعین نے ہزاروں بلکہ لاکھوں نقلیں کیں۔ اسی طرح وہ ہم تک پہنچا۔

نقل کے اس عمل کے تحت نقل متواتر کی یہ تعریف کی گئی کہ

''ہر زمانہ میں اس روایت کو ایسی کثیر جماعت نے نقل کیا ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً ناممکن ہے''

پس چونکہ قرآن مجید نقل متواتر کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے اسی لئے وہ قطعی الثبوت ہے۔

اسی طرح وہ حدیث جو متواتر نقل کی جارہی ہو جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہو کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تو وجوب عمل کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید کی آیت میں کوئی فرق نہیں ہوگا کیونکہ قرآن مجید آنحضرت ﷺ کے متعلق شاہد ہے کہ

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورہ نجم)

یعنی (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) جو کچھ بولتے ہیں اپنی طرف سے نہیں بولتے بلکہ بے شک وہی بولتے ہیں جو ان کو وحی کی جاتی ہے''

اس آیت کریمہ میں '' وَمَا یَنْطِقُ'' کے الفاظ سے عمومیت کامل کا مطلب نکلتا ہے۔ اس لئے حضرت رسول اللہ ﷺ کا ہر قول وحی ہے۔ خواہ وہ آیات قرآنی ہوں یا احادیث شریفہ جن کی سند حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہو۔

اسی لئے علماء حدیث نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے متعلق وحی کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک وحی متلو دوسری وحی غیر متلو۔ وحی متلو میں جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم کرائے جاتے ہیں ان کی پابندی اور حفاظت کی جاتی ہے اس کو اللہ کا کلام یا آیاتِ قرآنی کہا جاتا ہے۔ وحی غیر متلو میں ایسی پابندی نہیں ہوتی بلکہ حضرت رسول اللہ ﷺ منشاء الٰہی کی توضیح اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ گویا احادیثِ شریفہ آیاتِ قرآنی کی صحیح تفسیر اور قرآنی قانون کی تکمیل میں مدد کرتی ہیں۔

اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ صاحبِ وحی ہیں اور آپ کا ہر قول اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے تحت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کے تشریف لانے کے بارے میں جو کچھ صحیح احادیث موجود ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کی ضرورت اور تشریف لانے سے متعلق کئی طریقوں سے اہمیت اور تفصیل کے ساتھ خبریں دی ہیں جو متواتر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام سے متعلق جس قدر علامتیں اور

بشارتیں فرمائی ہیں وہ تمام کی تمام آپ پر یعنی حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام پر پوری پوری ثابت ہوتی ہیں۔

مگر ہم یہاں صرف انہیں احادیث کو سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن سے حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا مقام کیا ہے معلوم ہوتا ہے۔

پہلے اس حدیث شریف کو لیجئے جس کو مشکوٰۃ شریف میں اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے اور کنز العمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ (جسے اوپر درج کیا جا چکا ہے) اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی موعود امت محمدی ﷺ کو ہلاکت سے بچانے والے ہیں۔ جس طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات امت کو ہلاکت سے بچانے والی ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کی تشریف آوری کا زمانہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ امت کے درمیانی حصہ میں پیدا ہوں گے اس کے علاوہ حدیث کی صحیح اور مشہور کتاب ابن ماجہ اور حاکم اور ابو نعیم تین کتابوں میں حضرت ثوبانؓ کے حوالے سے سند کے ساتھ جو حدیث بیان کی گئی ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ

''پھر اللہ کا خلیفہ مہدی آئے گا پس جب تم اس کی خبر سنو تو اس کے پاس جاؤ اور اس سے بیعت کرو اگر چہ کہ تمہیں برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیونکہ مہدی اللہ کا خلیفہ ہے''

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہو رہی ہیں کہ ایک یہ کہ امام مہدی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں دوسری یہ کہ امام مہدی علیہ السلام کی بیعت فرض ہے تیسری یہ سخت تاکید کہ ان کے پاس جاؤ اگر چہ کہ تمہیں برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے۔ آخر میں یہ کہ مہدی اللہ کا خلیفہ ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حضرت امام مہدیؑ کا مقام ثابت ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ ایسی کئی روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کا **معصوم عن الخطا** ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ اکابر سلف الصالحین اور علمائے اصول نے اس حدیث شریف سے ثبوت دیا ہے کہ

''حضرت رسول اللہ نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد سے ہوگا میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا''

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب (٣٦٦) میں تحریر فرمایا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے کسی امام کی نسبت یہ نہیں فرمایا کہ وہ میرے بعد وارث ہوگا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا خاص مہدی کے بارے میں فرمایا ہے۔''

پس آنحضرت ﷺ نے مہدی علیہ السلام اور احکام مہدیؑ کی عصمت کے بارے میں اس طرح شہادت دی ہے کہ جس طرح خود آنحضرت ﷺ کی عصمت پر دلیل عقلی شاہد ہے۔ اسی طرح علامہ طحطاوی نے اپنی کتاب ''حاشیہ در المختار'' میں تحریر فرمایا ہے کہ

''مہدی مجتہد نہیں ہے کیونکہ مجتہد کے احکام قیاسی ہوتے ہیں۔ اور مہدی کے لئے قیاس حرام ہے۔ اس لئے کہ مجتہد خطا کرتا ہے اور مہدیؑ سے ہرگز خطا نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے احکام میں معصوم ہے۔ جس کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے بھی دی ہے اور

آنحضرت ﷺ کی یہ شہادت اس امر پر ہے کہ انبیاء وخلفائے الٰہی کے لئے اجتہاد جائز نہیں ہے''

اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی ''حضرت مہدی علیہ السلام کو معصوم عن الخطا'' ثابت کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

''مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے پہلے کے سارے مذاہب کی تقلید بالعمل باطل ہوجائے گی جیسا کہ ارباب کشف نے اس کی تشریح کردی ہے۔اور مہدی علیہ السلام ایسے احکام بیان کریں گے جو شریعت محمد ﷺ کے بالکل مطابق ہوں گے اس طرح کہ اگر رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہیں تو مہدی علیہ السلام کے تمام احکام کا اقرار کریں گے۔جیسا کہ اس بات کا اشارہ ذکر مہدی کی حدیث میں پایا جاتا ہے کہ وہ میرے نقشِ قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا''اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام نے جس قدر احکام ولایت کو فرض فرمایا ہے وہ قرآن مجید اور عمل حضرت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔لہذا یہ تمام احکام فرض اور بہ حیثیت فرضِ شرعی ہیں۔

(۲) حضرت رسول اللہ ﷺ کی ہر وہ حدیث جو برابر سند کے ساتھ آپ تک پہونچے ان تمام احادیث کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تعلیم پر ہے۔

(۳) وہ تمام صحیح حدیثیں جو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ہیں حضرت امامنا سید محمد مہدی علیہ السلام پر پوری پوری ثابت ہیں۔مستند احادیث سے ثابت ہے کہ

(۴) حضرت امامنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام امتِ محمدی ﷺ کو ہلاکت سے بچانے والے ہیں۔

(۵) آپ امت کے درمیانی حصہ میں پیدا ہوں گے۔

(۶) آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔

(۷) آپ کی بیعت فرض ہے۔

(۸) آپ حضرت رسول اللہ ﷺ کی اولاد بی بی فاطمہ الزہراءؓ سے ہیں۔

(۹) آپ حضرت رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔

(۱۰) آپ سے کبھی خطا نہیں ہوگی۔

(۱۱) آپ کی ذات معصوم ہے۔

(۱۲) آپ کی ذات قرآن مجید (اللہ تعالیٰ) کی مراد بیان کرنے والی ہے۔

(۱۳) جس طرح انبیاء علیہم السلام اور خلفائے الٰہی کے احکام من جانب اللہ فرض ہیں۔اُسی طرح حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے احکام من جانب اللہ فرض ہیں کیونکہ آپ خلیفۃ اللہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے ان تمام فرامین کی روشنی میں ہم کو حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا مقام کیا ہے معلوم ہوگیا۔ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جب آپ نے دُگانہ شب قدر کو فرض فرمایا ہے تو یقیناً وایماناً فرض ہے جس سے انکار نہیں کیا

جا سکتا۔قرآن مجید میں شب قدر کا جو ذکر کیا گیا ہے اور اس کے لئے ایک خاص سورۃ نازل کی گئی ہے اس کے معنی پر غور کیجئے۔اللہ تعالیٰ سورہ قدر میں فرماتا ہے کہ

''ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا' تم کیا سمجھتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس میں اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح القدس اترتے ہیں۔وہ امن وسلامتی کی رات ہے اور وہ طلوع فجر تک ہے''

علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق یہ سورہ لیلۃ القدر کی فضیلت پر اور اس رات کی عبادت کا ان آیتوں میں بطور معنی حکم ہے۔یعنی خدائے تعالیٰ کا اس رات کی فضیلت کو جتانا معناً اس رات میں عبادت کا حکم دینا ہے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت بتانے اور جتانے کے باوجود اس کا تعین کہ کس مہینے میں کونسی رات ہے؟ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

احادیث شریف میں بھی واضح اور قطعی طور پر اس کی تاریخ نہیں بتائی گئی۔

غرض قرآن مجید اور احادیث سے لیلۃ القدر کا تعین واضح اور یقینی طور پر نہ ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ سے لے کر تابعینؒ تبع تابعینؒ آئمہ' مجتہدین' مفسرین اور محدثین تک نے اس رات کے تعین میں اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ بعض صحابہ کہتے ہیں یہ رات برس میں ایک مرتبہ آتی ہے اس کا کوئی مہینہ مقرر نہیں۔بعض کا قول ہے کہ رمضان کے آخر حصے میں یہ رات آتی ہے مگر تاریخ مقرر نہیں۔بعض کا قول ہے کہ رمضان کی اکیسویں اور تیئیسویں رات ہے۔بعض کا قول ہے ستائیسویں رات ہے اور اکثر حنفیہ کا یہی خیال ہے۔

مگر ان سب روایتوں میں کسی سے یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ حقیقت میں فلاں تاریخ اور فلاں رات ہی لیلۃ القدر ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس اختلاف کی وجہ کسی رائے پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ یہ سب اقوال قیاسی ہیں جو مفید ظن ہو سکتے ہیں۔مگر موجب یقین نہیں ہو سکتے اہل سنت کے اعتقاد میں سب غیر معصوم بھی ہیں جن سے خطا کا امکان بھی ہے۔

مہدویوں کے لئے لیلۃ القدر کے تعین کا یہ اختلاف اور شک یقین کامل سے اس طرح بدل گیا کہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے یہ معلوم کرایا گیا کہ ''لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں رات ہی ہے'' اور یہ حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل واحسان کے شکریہ میں جو تعین لیلۃ القدر کا یقینی علم عطا کیا گیا ہے۔

''دو رکعت نماز ادا کی جائے''

جس نماز کے ادا کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ دے تو ایسی نماز فرض نہیں تو اور کیا ہوسکتی ہے؟ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں سنت رسول اللہ کو تازہ کیا اور اہل وعیال کو اور دائرہ کے لوگوں کو جمع کر کے دو رکعت نماز شکرانہ جماعت کے ساتھ ادا کی۔چونکہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے آپ نے یہ دو رکعت نماز ادا کی ہے۔لہٰذا یہ دُگانہ لیلۃ القدر فرض ہے اور حضرت امامنا علیہ السلام نے اس کو فرض فرمایا ہے۔

روزانہ پانچوں وقت کی نمازوں پر غور کیجئے کہ ان نمازوں کو کس کس نے ادا کیا؟ اور کس وقت ادا کیا؟ اور کس سلسلہ میں ادا کیا؟

ہر نماز ایک نبی اور پیغمبر کی نماز ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی شکر گذاری میں شکرانہ کے طور پر ادا کی گئی ہے۔

چنانچہ فجر کی نماز حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی شکر گذاری میں ادا کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود نے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جلنے سے محفوظ رکھ کر نجات عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کی شکر گذاری میں چار رکعت نماز شکرانہ ادا کی جو ظہر کا وقت تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بڑی مدت جدائی کے بعد جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہیں اپنے عزیز فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کی اطلاع اور بشارت دی تو اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کی شکر گذاری میں چار رکعت نماز شکرانہ ادا کی جو عصر کا وقت تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی جب اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی تو رب العزت کے اس فضل و اکرام کی شکر گذاری میں تین رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی جو مغرب کا وقت تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی وجہ سے جب مچھلی کے پیٹ کی قید سے رہائی پائی تو اس کی شکر گذاری میں چار رکعت نماز شکرانہ ادا کی جو عشاء کا وقت تھا۔

نمازوں کی اس حقیقت اور کیفیت کو نصاریٰ کے سوال کے جواب میں سرور کونین حضرت رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث شریف کو حضرت قطب العارفین محبوب سبحانی، غوث صمدانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں بھی باب صلوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں جو ہم پڑھتے ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی نبی اللہ اور خلیفۃ اللہ کی اللہ تعالیٰ کے فضل و اکرام اور احسان کی شکر گذاری میں ادا کی ہوئی نمازیں ہیں جو امت محمدی ﷺ پر فرض کی گئیں ہیں۔

اسی طرح حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور تمام صفاتِ انبیاء علیہم السلام کے حامل ہیں۔ آپ پر بھی لیلۃ القدر کا یقینی علم عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے جو فضل و احسان فرمایا ہے۔ اس کی شکر گذاری میں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے دو رکعت نماز دُگانہ شکرانہ لیلۃ القدر ادا کی گئی اور فرض کی گئی جو یقیناً اور ایماناً فرض ہے۔

الحمدللہ کہ مہدوی یقین کامل کے ساتھ شب قدر میں اس خاص الخاص وقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور عملِ رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں ستائیسویں رمضان کی رات میں عشاء کی نماز اور دو رکعت دُگانہ شب قدر فرض کی نیت سے ادا کرتے ہیں جو قرآن اور حدیث کے احکام کے تحت بالکل حق ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَھۡدِیَّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

سوال : کیا حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا انکار کفر ہے؟
جواب : ہم نے اسی کتاب کے پچھلے صفحات پر نقل متواتر اور حدیثِ متواتر اور احکامِ متواتر کو تفصیل سے سمجھا دیا ہے کہ
''وہ حدیث جو متواتر نقل کی جارہی ہو اور متواتر بیان کی جارہی ہو جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہو کہ حضور اکرم حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تو وجوبِ عمل کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید کی آیت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ کیوں کہ قرآن مجید حضرت رسول اللہ ﷺ کے متعلق شاہد ہے کہ
وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی (سورہ نجم) یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں اپنی طرف سے نہیں فرماتے بلکہ بے شک وہی فرماتے ہیں جو ان کو وحی کی جاتی ہے۔''
قرآن مجید کی اس گواہی کی بنیاد پر حضرت رسول اللہ ﷺ کا ہر قول وحی ہے خواہ وہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیث شریفہ، جس کی سند حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہو۔

قرآن مجید کی آیاتِ شریفہ اور احادیث شریفہ کے فرق کو بھی تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات پر بیان کر دیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایسی احادیث جن کی سند حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے اور جو تواتر کے درجہ کو پہنچ گئی ہو ان کا انکار کفر نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے؟ جو حدیث تواتر سے ثابت ہو اس کا انکار اس لئے کفر ہے کہ بغیر کسی شبہ کے آنحضرت ﷺ کا فرمان یقینی ہوتا ہے کیوں کہ راویوں کی کثرت کی وجہ شبہ اور گمان باقی نہیں رہتا اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے۔ پس مومن کے دل میں اس کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ سے صادر ہونے کے بارے میں انکار یا شک کرے۔

حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام سے متعلق جتنی کثرت سے احادیث ہیں اُتنی کثرت سے کسی دوسرے مسائل کے بارے میں نہیں ملیں گی اُن تمام احادیث میں سے کئی احادیث ہم نے اسی کتاب کے مختلف مقامات پر سند اور حوالہ جات کے ساتھ ضرورت کے مطابق لکھ دی ہے۔

اب ہم علماء حدیث اور علماء اصول اور محدثین کی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات سے یہ ثابت کریں گے کہ

حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام سے متعلق جس قدر احادیث صحیحہ ہیں وہ تمام نقل متواتر کے درجہ میں داخل ہوگئی ہیں۔ جس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انکار کیا جائے تو یقیناً کفر ہو جائے گا۔

علماء حدیث اور علماء اصول نے جب حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کے بارے میں احادیث کی اتنی کثرت دیکھی اور سب

حدیثوں کو حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت (پیدا ہونے) کے بارے میں متفق پایا تو انہوں نے مہدیت کے مسئلہ کو تواترِ معنی کے درجہ میں داخل کرلیا۔

چنانچہ علامہ قاضی منتجب الدین جونیری نے ''مخزن الدلائل'' میں لکھا ہے کہ

''بہر حال سلف نے جو اختیار کیا اور مہدی علیہ السلام کے بارے میں جو اتفاق کیا ہے وہ قرطبی میں ذکر کردیا گیا ہے''

''مہدی علیہ السلام سے متعلق جو حدیثیں ہیں اپنے راویوں کی کثرت کی وجہ تواتر کے درجہ کو پہنچ گئی ہیں'' (قرطبی)

اس کے علاوہ شیخ ابن حجر ہیثمی نے ''القول المختصر'' میں لکھا ہے کہ

''بعض حفاظ ائمہ حدیث نے فرمایا ہے کہ مہدی کا آلِ رسول علیہ السلام سے ہونا' حضرت رسول علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ روایت کی گئی ہے''

بحر العلوم عبد العلی ملک العلماء نے ''اشراط الساعۃ'' میں لکھا ہے کہ

''مہدی کی بعثت پر دلالت کرنے والی حدیثیں اتنی کثیر ہیں کہ تواتر معنی کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔''

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ''لمعات شرح مشکوٰۃ کے باب الساعۃ'' میں لکھا ہے کہ ''مہدی علیہ السلام کے بارے میں متواتر المعنی کثیر احادیث وارد ہیں''

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ

''مہدی علیہ السلام اہل بیت رسول علیہ السلام اولاد فاطمہ سے ہونے کی احادیث تواترِ معنی کی حد تک پہنچ گئی ہیں''

علماء حدیث اور علماء اصول کے ایسے بہت سارے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کی احادیث تواتر معنی ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے۔ کیوں کہ سب احادیث حضرت مہدی علیہ السلام کے آنے کے بارے میں ایک زبان ہیں۔

علماء وحدیث واصول اور آئمہ حدیث کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ

''حدیث متواترِ المعنٰی کا انکار کفر ہے''

چنانچہ اُصولِ فقہ کی معتبر کتاب ''اصول الشاشی'' میں لکھا ہے کہ ''حدیث متواتر سے علم قطعی واجب ہوتا ہے اور اس کا انکار کفر ہے''

اسی طرح سینکڑوں حوالہ جات موجود ہیں مگر ہم نے مختصر علماء حدیث اور آئمہ حدیث کی کتابوں سے سند کے ساتھ یہ بات ثابت کردی کہ حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق جس قدر احادیث ہیں وہ نقل متواتر میں داخل ہیں جس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جس طرح قیامت وغیرہ کی پیشین گوئی پر اعتقاد اور ایمان لازم ہے اور اس کا انکار کفر ہے' اسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام پر اعتقاد اور ایمان لانا لازم ہے اور انکار کفر ہے

ایک مثال پر غور کیجئے کہ

اللہ تعالیٰ نے کتنے پیغمبر دنیا میں روانہ فرمائے؟

حضرت رسول اللہ صلعم کی حدیث ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اللہ تعالیٰ نے روانہ فرمائے۔ اور تمام علماء وحدیث اور آئمہ حدیث اس حدیث شریف کو صحیح مانتے اور اتفاق کرتے ہیں کہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔

کیا قرآن مجید میں پیغمبروں کی تعداد سے متعلق کوئی ذکر ہے؟ قرآن مجید میں پیغمبروں کی اتنی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ انبیاء ومرسل ونبی اللہ سب ملا کر صرف (۲۸) پیغمبروں کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے قرآن مجید میں نہ تو نام ہیں اور نہ اس کی تعداد کا تذکرہ ہے۔

اگر ایک مسلمان جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہے‘ اللہ کی توحید کا اقرار اور رسالت کی گواہی دیتا ہے‘ تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے‘ نماز پڑھتا ہے‘ روزہ رکھتا ہے‘ حج کرتا ہے‘ زکوٰۃ دیتا ہے۔ غرض بہت نیک صالح‘ عابد پرہیز گار سب کچھ ہے مگر پیغمبروں کی اتنی بڑی تعداد میں صرف ایک پیغمبر کا انکار کرتا ہے تو کیا اس کا یہ انکار کفر نہیں ہے؟

بے شک کفر ہے۔ ایسے انکار کرنے والے کو شرع مبین کافر کہتی ہے۔ صرف ایک پیغمبر کا ”وہ بھی جس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے“ انکار کرنے سے کافر کیسے ہو جاتا ہے؟

اس لئے کہ اس نے ایک پیغمبر کا انکار کر کے حضرت رسول اللہ صلعم کو جھٹلا کر‘ اللہ تعالیٰ کی عین تکذیب کی۔ لہٰذا ایسا شخص خواہ وہ کیسا ہی عابد‘ صالح اور پرہیز گار ہو کافر ہے۔

اسی طرح حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا انکار کفر ہے۔ کیوں کہ اس نے حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام سے متعلق احادیثِ حضرت رسول اللہ صلعم کا جو متواتر المعنی کا درجہ رکھتی ہیں‘ انکار کیا اسی طرح ایک اور مثال پر غور کیجئے کہ

ایک مسلمان ایمان کی تمام باتوں میں سے اللہ کی توحید پر‘ فرشتوں پر‘ کتابوں پر‘ رسولوں پر‘ قیامت کے دن پر‘ تقدیر پر‘ خیر وشر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے‘ پر ایمان لاتا ہے۔

صرف ایک بات کہ ”مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر“ ایمان نہیں لاتا کیا اس کا صرف ایک بات سے انکار کرنا کفر نہیں ہے؟ سراسر کفر ہے۔ حالانکہ وہ تمام باتوں پر ایمان لا رہا ہے۔ نماز کا پابند ہے‘ روزوں کی پابندی کرتا ہے‘ حاجی ہے‘ عابد ہے‘ تہجد گزار ہے‘ سب کچھ ہے مگر اس کی یہ ساری نیکیاں اور عبادتیں برباد ہیں۔ کیوں کہ اس نے صرف ایک بات ”مرنے کے بعد اٹھائے جانے سے“ انکار کر کے نہ صرف ارشاد حضرت رسول اللہ صلعم کو جھٹلایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کو جھٹلایا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی یقیناً کافر ہو گیا۔ اسی طرح قرآن مجید کے ایک لفظ یا ایک حرف کا بھی انکار کفر ہے اگر چہ کہ ایک لفظ کے سوائے ساری کتاب کو مانتا ہو اور اس پر عمل کرتا ہو۔

اسی طرح حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہے۔ اگر چہ کہ انکار کرنے والا کیسا ہی عابد ہو‘ صالح ہو‘ اللہ اور رسول علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کرے اس کے تمام عمل صالح‘ تمام نیکیاں‘ عبادتیں‘ تہجد گزاریاں سب برباد ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ اس

نے حضرت امامنا مہدی علیہ السلام کا انکار کر کے احادیث حضرت رسول اللہ صلعم کا انکار کیا جو متواتر المعنی کا درجہ رکھتی ہیں۔ گویا اس نے حضرت رسول اللہ صلعم کے فرمان کا انکار کیا۔ حضرت رسول اللہ صلعم کے فرمان کا انکار اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار، اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی مراد کا انکار کرنے کے برابر ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (آل عمران ۲۲) یعنی ان کے تمام اعمال برباد ہوگئے'' آخر میں سرورِ کونین حضرت رسول اللہ ﷺ کی زبان پاک سے سن لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

مَنْ اَنْکَرَ خُرُوجِ الْمَهْدِی فَقَدْ کَفَرُ بِمَااُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٌ یعنی فرمایا حضرت رسول اللہ صلعم نے کہ
''جس شخص نے ظہور مہدی کا انکار کیا گویا کفر کیا اس چیز کے ساتھ جو محمد (صلعم) پر نازل کی گئی یعنی (قرآن مجید)''

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا انکار، رسول اللہ ﷺ کا انکار اور قرآن کا انکار ہے۔

اس حدیث صحیح کو امام ابوبکر اسکاف نے فوائد اخبار میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو امام ابو القاسم سہیلی نے اپنی کتاب شرح السیئر میں بھی لکھا ہے اور اسی طرح فصل الخطاب میں بھی لکھا ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا انکار کفر ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا کیا جاسکتا ہے کہ حقیقت میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے انکار سے کفر ہو جائے گا۔ کیوں کہ احادیثِ متواتر المعنی کا انکار کفر ہے۔ مگر کیا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کا انکار کفر ہوسکتا ہے؟

حضور سرور کونین حضرت رسول اللہ ﷺ سے حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے بارے میں جس قدر بشارات، علامات اور صفات وغیرہ کی احادیث صحیحہ بیان کی گئی ہیں وہ سب حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) پر پوری پوری ثابت ہوتی ہیں اور صادق آتی ہیں۔

جن میں سے ہم یہاں مختصر طور پر مطابقت کر کے پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہاں اس کا موقع نہیں ہے حق کی تلاش اور جستجو کرنے والے کے لئے تو ایک ہی بات کافی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہ اگر کسی مکان پر آواز دی جائے اور مکان میں کوئی موجود ہے تو اُس کے لئے ایک ہی آواز کافی ہے فوراً جواب مل جائے گا۔ اور اگر مکان خالی پڑا ہے تو اس مکان پر ایک آواز کیا سینکڑوں آوازیں دی جائیں پھر بھی کوئی جواب نہیں ملے گا۔

بالکل اسی طرح قلب کے مکان میں اگر حق کی تلاش والا کوئی ہے تو اس کے ئے ایک ہی بات اور ایک ہی ثبوت کافی ہے۔ فوراً ایمان لائے گا۔ اگر قلب کا مکان خالی پڑا ہے تو اس کے سامنے سینکڑوں ثبوت پیش کیئے جائیں تب بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

چنانچہ حضور اکرم حضرت محمد رسول اللہؐ کی ایک ہی بات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے کافی ہوگئی اور صَدَّقْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہؐ کا نعرہ لگادیا اور حضور اکرم ﷺ کے اخلاق، صداقت، شفقت و رحمت اور سینکڑوں معجزات اور کلامِ ربانی کے باوجود ابوجہل پر کوئی اثر تک نہیں ہوا۔

غرض اب ہم احادیث صحیحہ کو مطابقت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(۱)　حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مہدی اولادِ فاطمۃ الزہراؓ سے ہوگا''

یہ حدیث ترمذی میں حضرت ابن مسعودؓ سے فوائد حافظ ابونعیم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ابونعیم نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے سنن ابوداؤد میں ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) حضرتہ فاطمۃ الزہراءؓ کے فرزند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

(۲)　حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرتہ بی بی فاطمہؓ سے فرمایا کہ ''اے فاطمہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ ان دونوں یعنی حسنؓ و حسینؓ کی اولاد میں سے ہی اس اُمت کا مہدی پیدا ہوگا'' الخ

اس حدیث کو حافظ ابونعیم اصفہانی نے حضرت علی بن ہذیلؓ کے حوالے سے صفتِ مہدی کے باب میں لکھا ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ حضرت رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اور آپ کے والدِ بزرگوار حضرت سید عبداللہؒ حضرت امام رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اس طرح آپ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں کی اولاد سے ہیں۔

(۳)　حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مہدی کا نام میرے ہم نام ہوگا اور اس کے ماں باپ کے نام میرے ماں باپ کے ہم نام ہوں گے''

یہ حدیث سنن ابوداؤد، طبرانی اور سنن ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کا نام ''محمد'' ہے اور آپ کے والد بزرگوار کا نام ''سید عبداللہ'' اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی آمنہ ہے۔

(۴)　حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ایک شخص میری اولاد سے نہ نکلے جو میرا ہم نام ہوگا اور میرا ہم کنیت ہوگا''

ف　اس حدیث سے حضور امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کی پیدائش کی ضرورت، اہمیت اور قطعیت ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) اولاد حضرت رسول اللہ صلعم سے ہیں۔ اور حضرت رسول اللہ صلعم کے ہم نام (آپ کا نام محمد ہے) ہیں اور حضرت رسول اللہ صلعم کے ہم کنیت ہیں یعنی آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ [۱]

(۵)　حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ

''مہدی ہم میں سے ہیں یا ہمارے غیر سے؟'' تو حضور رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ''ہم میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے دین کو ختم کرے گا جیسا ہم سے اس کی ابتداء کی ہے''

[۱] جونپور نامہ مولفہ خیر الدین محمد الہ آبادی کے باب پنجم میں اور تحفۃ الکرام جلد دوم صفحہ ۲۲ مولفہ علی شیر قانع نے حضورؑ کے اس نام اور ولدیت اور نسب سے متعلق یہی لکھا ہے۔

یہ حدیث نعیم بن حماد نے ابونعیم نے اور طبرانی نے متفقہ طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) آل محمد صلعم سے ہیں۔ اور آپ نے احکامِ ولایت متعلق بہ علم الاحسان اور بیان قرآن سے قرآنی احکام کی تبلیغ و دعوت فرما کر احکامِ دین کی تکمیل فرمائی۔

(۶) حضرت ابی وائلؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسینؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہی نام رکھا ہے۔ تمہارے نبی صلعم کا ہم نام شخص اس سے پیدا ہوگا۔

اس وقت میں جب کہ لوگ دین سے غافل ہو جائیں گے اس کے پیش نظر حق اور وجود (بخشش سخاوت) ہوگا۔ اہل آسمان اس شخص کے پیدا ہونے سے خوش ہیں۔ یہ شخص روشن پیشانی والا' سیدھی ناک والا' بڑی پیٹھ والا' پتلی رانوں والا' اس کے دانتوں میں فصل ہوگا' زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) حضرت امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی پیدائش کے زمانہ میں مسلمان کس قدر دین سے غافل ہو گئے تھے اور کیسی ابتری پھیلی ہوئی تھی تاریخ کے جاننے والے لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے چنانچہ اس زمانہ کی تاریخی کتاب مثلاً تاریخ فرشتہ' آئین اکبری' منتخب التواریخ' طبقات اکبری اور نجات الرشید وغیرہ سے اب بھی اس زمانہ کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے۔

یہاں ابوالکلام آزاد ہی سے سنئے کہ سرسری اندازہ کے لئے یہی کافی ہے۔

''نویں صدی کا وہ زمانہ جو اکبر سے پہلے گزرا ہندوستان میں سخت بدامنی اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ روز' روز بادشاہتیں بنتی اور بگڑتی تھیں اور کوئی مرکزی حکومت باقی نہیں رہی تھی جو شرع کے اجراء قیام کی ذمہ دار ہوتی۔

علماء حقانی بہت ہی کم تھے اور علماء دنیا ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ دنیا طلبی اور مکر وزور کی گرم بازاری تھی اور سب سے زیادہ جاہل صوفیوں کی بدعات ومنکرات نے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا (تذکرہ صفحہ ۲۷)

مسلم دنیا عیش وعشرت' خانہ جنگیوں میں مبتلا تھی۔ مرکز اسلام یعنی خلافتِ اسلامیہ میں انتشار اپنے کمال پر تھا۔ خلافت مغربی طاقتوں کی سازشوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے لئے مغربی طاقتوں سے سازش کر رہی تھیں۔ اس ہنگامہ آرائی کے علاوہ سب سے زیادہ خطرناک صورت حال یہ پیدا ہوگئی تھی کہ مسلمان کو اسلام سے بیگانہ بنانے اور اس سے روحِ جہاد سلب کرنے کے لئے مذہبی پیشوا سیاست داں اور برسر اقتدار لوگ ان کا آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ مُلاّ' پیر' فقیر اور مشائخین کی ایک کثیر جماعت مسلم عوام کو بہکانے اور بھٹکانے پر مامور تھی۔ مسلمان اوہام پرستی' پیر پرستی' قبر پرستی اور وطن پرستی میں مبتلا ہو چکا تھا۔ مسلمان سے اسلامی روح اور اسلامی اسپرٹ کھینچ لی گئی تھی۔ ''فراست مومن'' کا تصور بھی باقی نہیں تھا۔

غرض اس زمانہ کی تمام تواریخ اس بات کی صاف گواہی دے رہی ہیں کہ نویں صدی ہجری میں علماء فضلاء اور مشائخین تک دین سے غافل ہو گئے تھے تو عام مسلمانوں کا سوال ہی کیا۔ ایسے وقت جبکہ اُمت محمدی صلعم ہلاکت کی طرف جا رہی ہو' ایک ہادی برحق' خلیفۃ اللہ کے پیدا ہونے کی کیا ضرورت نہیں تھی تا کہ اُمت محمدی صلعم کو ہلاکت سے بچائے۔

یقیناً زمانہ اور وقت کا تقاضہ اور شدید تقاضہ تھا کہ کوئی ہادی برحق آئے اور اُمّتِ محمدی صلعم کی کشتی کو ڈوبنے سے بچائے ایسے ہی وقت کے لئے حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ

''میری اُمت کیسے ہلاک ہوگی جب کہ میں اس کے اول حصہ میں ہوں۔ اور عیسیٰ ابن مریم اس کے آخر حصہ میں اور مہدی جو میری اہل بیت سے ہے اس کے درمیانی حصہ میں ہے''

اس حدیث کو مشکوٰۃ شریف اور مسند امام احمد حنبل میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اور کنز العمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور آپ کو اُمتِ محمدی صلعم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اپنے وعدے اور منشاء کے تحت پیدا فرمایا اور حدیث کے منشاء کے تحت آپ وسطِ امت میں پیدا ہوئے اور اُمتِ محمدی صلعم کو حقیقی دین کی طرف بلا کر صراط مستقیم دکھائی اور ہلاکت سے بچالیا۔

آپ کا حلیہ مبارک ویسا ہی تھا جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیرت کی تمام کتابیں اس کی شاہد ہیں۔

(۷) حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''مہدی کعبۃ اللہ میں رکن ومقام کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے''

اس حدیث کو نعیم بن حماد نے حضرت قتادہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) ۹۰۱ھ میں جب حج کو تشریف لے گئے تو رکن ومقام کے درمیان کھڑے ہو کر پہلی مرتبہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے سامنے خدا کے حکم سے اپنے مہدی موعودؑ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ اس دعوتِ مہدیت کو لوگوں نے قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۸) حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مہدیؑ وسطِ اُمّت میں ہوں گے اور عیسیٰؑ آخرِ اُمّت میں ہوں گے''

یہ حدیث مشکوٰۃ شریف اور رزین اور مسندِ امام احمد بن حنبل میں بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے وسطِ اُمّت میں ہوا۔ چنانچہ تمام امت محمدیہ صلعم پر آپ نے اپنے دعویٰ مہدیت کا علانیہ اظہار فرمایا اور اس زمانہ کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کے نام دعوت نامے روانہ فرمائے کہ

اگر میں دعویٰ مہدیت میں سچا ثابت نہ ہوسکوں تو تم پر میرا قتل واجب ہے۔ پس علماء کو چاہئے کہ میری تحقیق کریں۔

اور یہ بھی لکھا کہ ''میری مہدیت کی سچی دلیل یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا پورا پورا تابع ہوں، میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور کوئی جدید شرع نہیں لایا ہوں۔

اور احکام ولایت محمدیہ کا جو علم الاحسان کے احکام ہیں مستقل داعی ہوں۔

کوئی احتیاج نہیں رکھتا ہوں، صاحب عقل وشعور ہوں۔

(۹) حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مہدی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی''

یہ حدیث سنن ابن شیبہ میں، طبرانی نے افراد میں اور ابو نعیم اور حاکم نے اپنی کتابوں میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے

بیان کی ہیں۔

چنانچہ جن لوگوں کو حق کی طلب تھی انہوں نے حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کی تصدیق کی اور ایمان لائے۔

پس یَمْلاءُ الْاَرْضَ کا یہ مطلب نہیں کہ ساری دنیا میں عدل وانصاف پھیل جائے گا اور دنیا کے تمام انسان ایمان لائیں گے۔

کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے اب تک سارے افرادِ انسانی نہ ایمان لائے اور نہ آئندہ لائیں گے۔

چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے جب یہ کوشش کی کہ ابوطالب ایمان لائیں تو انہوں نے قبول نہیں کیا تو آنحضرت صلعم کو سخت رنج ہوا۔ اللہ جل شانہ نے حضرت رسول اللہ صلعم کی تسکین کی خاطر یہ آیت نازل فرمائی کہ

اِنَّکَ لاَ تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۝ (القصص ۵۶) یعنی اے محمد (صلعم) تم جس سے محبت رکھتے ہو اس کو راہ پر لانا تمہارا کام نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا کام ہے۔ پس ہم جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

غرض انبیاء علیہم السلام اور حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا یہ منصب ہے کہ ''خدا کی راہ بتا دیں'' اور یہ منصب نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت پر لائیں کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے جو فرماتا ہے۔ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءَ یعنی (اللہ تعالیٰ) جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ (سورہ فاطر ۸)

غرض جو لوگ حدیث یَمْلاءُ الْاَرْضَ الخ کے نظر کرتے یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں سب زمین پر عدل وانصاف پھیل جائے گا۔ اور سب لوگ مومن ہو جائیں گے سراسر قرآن حکیم کے منشاء کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرح بصیرت وہدایت کی طرف لوگوں کو بلایا اور دعوت دی۔ اپنے معجزات سے بھی اپنی دعوت کا ثبوت دیا۔

وہی لوگ تصدیق مہدویت سے مشرف ہوئے اور ایمان لائے جن کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرہ ۲) اور جو اس صفت سے موصوف نہیں تھے علامتوں کی بحثوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔

حق تو یہی ہے کہ علامات دراصل اشاراتِ خفیہ ہیں ان کے حقیقی معنی ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اسی غلطی کی وجہ سے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور نصاریٰ ویہود نے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا انکار کیا۔

(۱۰) حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

''مہدی کی پہچان یہ ہے کہ وہ حاملوں (تونگروں) کے ساتھ سخت اور مسکینوں کے ساتھ مہرباں ہوگا''

اس حدیث کو حافظ ابوعبداللہ نعیم بن حماد نے حضرت طاوسؓ کے حوالے سے کتاب الفتن میں لکھا ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) اسی طرح دنیاداروں کے ساتھ اتنے سخت تھے کہ وہ ان کے ساتھ ہیبت کی وجہ سے مانوس ہی نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن فقراء اور مساکین آپ سے ایسے ہی مانوس تھے جیسے بھائی بھائی سے یا بیٹا

باپ سے مانوس ہوتا ہے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ ابن عطا سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علیؒ سے دریافت کیا کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ کس سیرت پر چلیں گے تو انہوں نے کہا کہ

''وہ اپنے پہلے کی ناسزا باتوں کی بنیادوں کو ڈھا دیں گے جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے کیا تھا۔ اور اسلام کو از سر نو قائم کریں گے۔

یہ روایت حدیث کی کتاب عقد الدرر میں بیان کی گئی ہے چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) نے دین میں جس قدر بدعتیں، رسومات، منکرات اور ناسزا باتیں شامل کر دی گئی تھیں ان کو مٹایا اور مجتہدین کی وہ تمام غلطیاں جو اعمال وعقائد میں واقع ہوئی تھیں ان سب کو دور فرمایا۔ اُمّتِ محمدی صلعم کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی اطاعت کی طرف بلایا۔ اس روایت پر آنحضرت صلعم کا ارشاد بھی دلیل ہے کہ

''وہ آخر زمانہ میں دین کو اسی طرح قائم کریں گے جس طرح کہ اول زمانہ میں، میں نے اس کو قائم کیا ہے''

حدیث کی کتاب عقد الدرر میں یہ بھی روایت بیان کی گئی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ

''مہدی کسی بدعت کو بغیر مٹائے اور کسی سنت کو بغیر قائم کئے ہوئے نہ چھوڑے گا''

چنانچہ آپ کا عمل اور آپ کی تعلیمات اس کی گواہ ہیں کہ آپ نے ہر بدعت کو مٹایا اور ہر سنت کو قائم فرمایا۔

(۱۲) کسی نبی کی تصدیق کے لئے اس کے نبوت پر فائز ہونے سے پہلے جن صفاتِ عالیہ کی ضرورت ہے وہ تمام صفات آپ میں موجود تھے بچپن میں بھی آپ پابندِ شریعت تھے۔

(۱۳) کسی نبی کی صداقت کے لئے نبوت کے اظہار کے بعد اُس میں دو چیزوں کا ہونا لازمی بتایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اپنی نبوت کا دعویٰ کرے اور دوسرے منکرین کی طلب پر اس سے معجزہ صادر ہو۔

چنانچہ یہ دونوں باتیں آپؑ میں موجود تھیں ایک یہ کہ آپ نے اپنے مہدی موعودؑ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ حسب طلب آپ سے کئی معجزے بھی صادر ہوئے۔

(۱۴) حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کے حالات اور کیفیات سے ثابت ہے کہ نبوت کے ثبوت میں جن صفات عالیہ کی ضرورت ہے وہ تمام صفات اور کیفیات آپؑ میں موجود تھیں۔

چنانچہ اس زمانہ کے تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں۔ ملا عبد القادر بدایونی نے نجات الرشید میں حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) سے متعلق علمائے ہرات کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''این مرد آیتے است از آیاتِ خدا''

یعنی آپؑ کی ذات اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اسی طرح خیر الدین محمد الہ آبادی نے جونپور نامہ کے باب پنجم میں ''خواجہ سید محمدؑ'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ۔

''آیتے بود از آیاتِ الٰہی ومعجزہ از معجزات رسالت پناہی''یعنی خواجہ سید محمدؑ (مہدی علیہ السلام) اللہ

کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔اور رسول اللہ صلعم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔

(۱۵) آپ کے اخلاق اور آپ کے صفات تمام وہی تھے جو حضرت رسول اللہ صلعم کے اخلاق اور صفات تھے۔اس کا ثبوت نہ صرف ہماری سیرت کی کتابیں دیتی ہیں بلکہ دوسروں کی کتابیں اور تواریخ بھی اس کی گواہی دیتی ہیں۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ

" در اعتقاد سید محمد جونپوری ہر کمالیکه رسول الله داشت در سید محمد مہدی نیز بو واین جابه تبیعت۔ تبعیت رسولِ بجائے رسیده که ہم چو اُوشد"

یعنی (حضرت) سید محمد جونپوری کے اعتقاد میں ہر وہ کمال کہ جو (حضرت) رسول اللہ (صلعم) رکھتے تھے (وہی کمال) سید محمد مہدیؑ میں بھی تھا۔فرق یہی ہے کہ وہاں ذات سے تھا اور یہاں اتباع میں۔اور رسول اللہ (صلعم) کی اتباع میں اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ ان کے مانند ہو گئے تھے۔"

ف حضور سردار دو عالم حضرت رسول اللہ صلعم نے جو جو بشارات اور علامات حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق ارشاد فرمائی تھیں وہ پوری کی پوری امام الکائنات حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) پر ثابت ہوئیں اور صادق آ گئیں۔

آپؑ ہی کی ذات مہدی موعود امام آخر الزماں، خلیفۃ اللہ، داعی الی اللہ، مراداللہ ہونے کی گواہی نہ صرف احادیث شریفہ دے رہی ہیں بلکہ قرآن مجید بھی گواہی دیتا ہے۔

(۱۶) اس کے علاوہ نہ صرف ہماری سیرت کی کتابیں آپ کی سیرت، اخلاق، تاثیر بیان قرآن جو آپؑ کا معجزہ اور خاص منصب تھا۔ اور دوسرے تمام معجزات کی گواہی دے رہی ہیں بلکہ دوسروں کی کتابیں اور تواریخ بھی آپؑ کا ثبوت دے رہی ہیں کہ آپؑ کی مقدس ذات وہی ہے جس کی بشارت اور پیشین گوئی رسالت پناہ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمائی ہے۔ یہ سب کچھ مطابقت اور ثبوت ہو جانے پر بھی آپ کی ذات کا انکار کیا کفر نہیں ہوگا؟

(۱۷) بغوی نے اپنی اسناد کے ساتھ ابن مالک اشعریؓ سے روایت کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت (صلعم) کی خدمت میں حاضر تھا۔آپؐ نے فرمایا کہ

بے شک اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید، لیکن قیامت کے دن اللہ سے اُن کے قرب اور مرتبہ کے سبب سے انبیاء اور شہداء بھی اُن پر رشک کریں گے۔

ابنِ مالک کہتے ہیں کہ اس جماعت کے ایک طرف بدوی تھا جو ارشادِ نبوت سن کر گھٹنوں کے بل جھک گیا اور دونوں ہاتھ چھوڑ کر کہنے لگا کہ

یا رسول اللہ (صلعم) ان لوگوں کی حالت ہم سے بیان فرمائیے کہ وہ کون لوگ ہیں؟

ابن مالک کہتے ہیں کہ اس سے میں نے رسول اللہ (صلعم) کے چہرے پر شگفتگی و مسرت کے آثار پائے۔

آپؐ نے فرمایا کہ وہ اللہ کے بندوں ہی میں سے چند بندے ہیں۔مختلف شہروں کے اور مختلف قبیلوں کے ہوں گے۔ان میں

آپس میں کوئی نسب کا رشتہ نہ ہوگا جس کی وجہ سے وہ باہم ملتے ہوں۔ نہ دنیا کا مال جسے وہ باہم خرچ کریں۔ ان کی باہمی محبت محض اللہ کی رحمت (حکم) سے ہوگی۔ اللہ ان کے چہروں کو (پیکر) نور بنادے گا۔ اور خدائے رحمٰن کے سامنے ان کے لئے موتیوں کے منبر بنائیں جائیں گے۔ الخ

ف اس حدیث شریف کے مقامات پر غور کیجئے اور حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے صحابہ پر غور کیجئے۔

حضور اکرم صلعم نے جس طرح حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق بشارات اور علامات ارشاد فرمائی ہیں اسی طرح آپؑ کے صحابہ کی نسبت بھی ارشاد ہو رہا ہے اور پورا پورا صادق آرہا ہے۔

آپؑ کے اصحاب ایک شہر کے نہیں ہیں بلکہ مختلف شہروں کے ہیں اور مختلف قبیلوں کے ہیں۔ ان میں نہ کوئی نسبی رشتہ ہے نہ وطنی تعلق ہے۔ مگر آپس میں محبت اور صلہ رحمی کا یہ عالم ہے کہ جواب نہیں۔ مجھ سے آپ کیا حال سنتے ہیں دوسروں کی زبانی ان کے حالات سنئے پھر اندازہ لگایئے۔

جونپور نامہ کے باب پنجم میں ''خواجہ سید محمد'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

''خواجہ سید محمد اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی تھے اور رسول اللہ صلعم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔

جن لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علانیہ مشغول رہتے۔ فی سبیل اللہ جہاد کرنے میں جاں باز' دین کی نصرت میں سر فروش جو کچھ ملتا سب پر علی السویہ (برابر' برابر) تقسیم کرتے اور دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ رکھتے۔ ہاتھ میں تلوار اور سر پر قرآن رکھنا ان کا خاصہ ہے۔ فروع میں امام اعظمؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ لیکن حدیث کی اتباع میں شدت سے کام لیتے ہیں۔ اور اس باب میں قیاس کو تسلیم نہیں کرتے ہدایت حق کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھتے۔ سوائے خواجہ سید محمد کے دوسرے کو مہدیؑ نہیں سمجھتے۔

ف ایسے اصحاب جن کے حالات اور کیفیات اور صفات دوسروں کی کتابوں سے تاریخی شہادت کے ساتھ ثابت ہو رہے ہیں اور احادیثِ صحیحہ جن کے صفات اور مراتب کی گواہی دے رہی ہیں۔

ایسے اصحاب گواہی دے رہے ہیں اور ایمان لا رہے ہیں کہ آپؑ ہی کی ذات مہدی موعود امام آخر الزماں' خلیفۃ الرحمٰن' داعی الی اللہ' مراد اللہ ہے تو پھر شک اور شبہ کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اس کے بعد بھی آپؑ کی ذات کا انکار کیا کفر نہیں ہوگا؟

(۱۸) ملا عبد القادر بدایونی نے نجات الرشید میں اپنے زمانہ کے مہدویوں کے متعلق یہ لکھا ہے۔ ان کا زمانہ حضرت امامنا علیہ السلام کے تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔

''اس سلسلہ (یعنی سلسلہ مہدویہ) کے بہت سے لوگوں کے ساتھ رہا ہوں میں نے ان کے پسندیدہ اخلاق اور ان کے پسندیدہ اوصاف کو فقر وفنا میں مرتبہ عالی پر پایا۔ اگر چہ انہوں نے علم رسمی حاصل نہیں کیا تھا لیکن قرآن کا بیان اور اس کے ارشادات وحقائق کی باریک باتیں اور معرفت کے لطیف نکات ان سے اس قدر سنے ہیں کہ اگر ان میں کچھ مجمل طور پر قیدِ کتابت میں لانا چاہیں تو اور ایک تذکرۃ الاولیاء لکھنا چاہئے''

ملا عبد القادر بدایونی اپنی آنکھوں دیکھا حال اپنی کتاب نجات الرشید میں لکھ رہے ہیں۔ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود

علیہ السلام (جونپوری) کے صحابہ سے فیض پانے والوں کا یہ حال ہے تو اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرامؓ کا کیا مرتبہ اور کیا حال ہوگا۔

تابعین اور تبع تابعین کے اخلاق اور اوصاف کیا تھے؟ یہ کیسے بنے؟ حضور امامنا خلیفۃ الرحمٰن کے فیض و تعلیمات سے بنے۔

فقر و فنا کیسے پیدا ہوا؟ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی تعلیمات اور فیضان سے پیدا ہوا۔

علم رسمی حاصل نہیں کیا مگر قرآن کا بیان، اشارات و حقائق کی باریک باتیں اور معرفت کے لطیف نکات کہاں سے بیان کئے جارہے ہیں؟ صاحب بیان قرآن، بینۃ اللہ، مراد اللہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کے تاثیر بیان قرآن اور فیضان کا نتیجہ ہیں۔

جس طرح حضرت سرور کونین رسول اللہ صلعم نے وادی غیر ذی زرع سے علم دین کے جواہر پارے پیدا فرمائے جو دنیائے عالم کے معلم بنے۔ اُسی طرح حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) نے غفلت و ہلاکت میں پڑی ہوئی دنیائے اسلام کو فیضانِ قرآنی اور تعلیم اتباع رسول ربّانی سے جواہر پارے پیدا فرما کر دینِ اسلام کو از سرِ نو قائم فرمادیا۔

انہیں حالات اور حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہی کی ذات مہدی موعود امامِ آخر الزماں ہے ثابت ہوجانے کے بعد بھی آپ کی مقدس ذات کا انکار کیا کفر نہیں ہوگا؟

احادیثِ صحیحہ میں حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام سے متعلق جو بشارات اور نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ تمام حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کی مقدس ذات پر ثابت ہوگئیں۔

احادیث صحیحہ میں کیسے زمانہ میں حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا ظہور ہوگا اس کے جو آثار قرائن اور علامات بتلائے گئے ہیں وہ تمام تاریخی کتابوں کے حوالوں سے ثابت ہوگیا کہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کی پیدائش کے وقت بالکل ویسا ہی زمانہ تھا اور ایک ہادیٔ برحق کا منتظر تھا۔ اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کا سلسلۂ نسب، نام اور کنیت حضور کی پیدائش کے حالات اور واقعات حضور کے بچپن کے حالات اتباعِ شریعت حقّہ کے واقعات آپ کے کریمانہ اخلاق اور صفاتِ حسنہ، آپ کا کتاب اللہ اور رسول اللہ کا اتباعِ تام، آپ کی دعوت اور تبلیغ، آپ کے دعویٰ مہدیت کا اعلان اور بادشاہوں کے نام خطوط، علماء حقانی کے اقوال، علماء سوء کی ایذا رسانی اور مصائب اور آپ کا صبرِ جمیل، آخر وقت تک اپنے دعویٰ پر قیام، دعویٰ اور تبلیغ کے ۲۳ سالہ مدت، آپ کے معجزات، تاثیر بیان قرآن، صحبتِ عالیہ کا فیضان، آپ کے احکام اور تعلیمات، آپ کے اذکار الٰہی واشغال ربّانی، آپ کی ذکرِ خفی کی تعلیم اور اس کے اثرات، آپ کا ہیبت و جلال، آپ کا کرم و شفقت، آپ کی حیات پاک کے حالات اور وہ تمام چیزیں جو آپ سے ظہور میں آئیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اور اس زمانہ کی تاریخی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کردیا گیا کہ آپ کی مقدس ذات ہی مہدی موعود، امامِ آخر الزماں اور خلیفۃ اللہ ہے۔

یہ بھی ثابت کردیا گیا ہے کہ آپ کا اتباع اور اطاعت حکم خدا اور رسول صلعم سے فرض ہے۔ اس کے بعد بھی آپ کی مقدس ذات کا انکار کیا کفر نہیں ہوگا؟

(۱۹) کلمہ شہادت پر غور کیجئے اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًاعَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس کے دو حصے ہیں۔ایک حصہ اللہ تعالٰی کی گواہی میں ہے کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے''

دوسرا حصہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی گواہی میں ہے کہ ''اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں''

تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی نبوت پر غور کیجئے کہ جتنے انبیاء علیہم السلام آئے وہ اللہ تعالٰی کی ایک ایک صفت کے مظہر بن کے آئے۔چنانچہ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اٰدَمُ صَفِیُّ اللّٰهِ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ نُوْحٌ نَّجِیُّ اللّٰهِ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اِسْمٰعِیْلُ ذَبِیْحُ اللّٰهِ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰهِ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ دَاوٗدُ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰهِ

ان تمام میں کوئی رسول اللہ بن کر نہیں آیا صرف سرورِ کونین کی مقدس ذات ہے جو رسول اللہ بن کر آئی۔چنانچہ

لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰه

تو معلوم ہوا کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اللہ تعالٰی کی رسالت کے منصب پر فائز ہے گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کی ذات کے مظہر بن کر آئے۔

محققین صوفیاء کرام کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے مشکوٰۃ ولایت محمدی صلعم ہی سے فیض پایا ہے آپؐ کی ولایت اور آپ کی نبوتِ ازلی ہے چنانچہ سرورِ کونین حضرت محمد رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ

''کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمَ بَیْنَ الْمَاءَ وَالطِّیْنَ''

یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے

نبوت اور ولایت دونوں آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ہیں۔اسی وجہ سے آپ کا منصب رسالت ہے۔منصبِ رسالت میں نبوت اور ولایت دونوں شامل ہیں۔

رسالت

نبوت ولایت
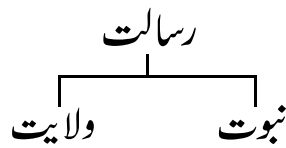
کلمۂ شہادت کے دوسرے حصہ میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا ہے یعنی آنحضرت صلعم کی نبوت اور ولایت دونوں کی گواہی دینا ہے۔جب تک نبوت اور ولایت دونوں کی گواہی نہ دی جائے گواہی پوری نہ ہوگی بلکہ نامکمل (ادھوری) رہے گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا تو اظہار ہو چکا اور آپ کی نبوت کی گواہی بھی دی گئی۔ ولایت کی گواہی جب ہی دی جائے گی جب کہ اس کا اظہار ہو۔

آنحضرت ﷺ کی ولایت کا ظہور کب ہوگا؟ اس سوال کا جواب کہ آنحضرت ﷺ کی ولایت کا ظہور کس سنہ میں ہوگا؟ کون دے سکتا ہے؟ کوئی نہیں دے سکتا۔ البتہ قرآن دے سکتا ہے یا اسی کلمہ شہادت کا وہ حصہ دے سکتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی گواہی سے متعلق ہے اُسی سے پوچھا جائے کہ آنحضرت صلعم کی ولایت کا ظہور کس سنہ میں ہوگا؟ کلمہ شہادت کا دوسرا حصہ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کا ہے اُسی میں آنحضرت صلعم کی ولایت کے ظہور کا زمانہ (یعنی سنہ) پوشیدہ ہے۔ چنانچہ

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

کے اعداد نکالئے تو بغیر کچھ داخل کئے یا خارج کئے کے پورے پورے (۸۴۷) کے اعداد نکلتے ہیں۔ گویا آنحضرت صلعم کی ولایت کے ظہور کا زمانہ (یعنی سنہ) ۸۴۷ کا سنہ ہے۔

چنانچہ حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کی پیدائش کا سنہ ۸۴۷ھ ہے۔

اعداد = و، ا، ش، ھ، د، ا، ن، محمد، ع، ب، د، ہ، و، ر، س، و، ل، ہ

6+1+300+5+4+1+50+92+70+2+4+5+6+200+60+6+30+5=847

ثابت ہوا کہ حضرت امام مہدی موعود خاتم ولایت محمدیہ کے ظہور کا زمانہ (یعنی سنہ) ۸۴۷ ہجری ہے۔ ۸۴۷ھ سے پہلے اگر کسی نے مہدیت کا دعویٰ کیا ہو تو اس لحاظ سے غلط ہے اور ۸۴۷ھ کے بعد آئندہ اگر کوئی مہدیت کا دعویٰ کرے گا تو وہ بھی سراسر غلط ہوگا۔ کیونکہ کلمۂ شہادت سے خاتم ولایت کے ظہور کا جو سنہ برآمد ہو رہا ہے وہ ۸۴۷ھ ہے اور یہی زمانہ وسط اُمت کا ہے۔

لہذا ۸۴۷ھ میں ظہور کرنے والی ذات ہی ''امام مہدی موعودؑ'' ہوسکتی ہے دوسری نہیں ہوسکتی۔

حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) ہی کی ذات پر ایمان لانے سے کلمۂ شہادت کی تکمیل اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی گواہی مکمل ہوسکتی ہے ورنہ نہیں ہوسکتی۔

ان تمام حقائق اور کامل صداقت کے ساتھ ثابت ہوا کہ آپ ہی کی مقدس ذاتِ مہدی موعود امام آخرالزماں ہے **آمَنَّا وَصَدَّقْنَا**

اس کے باوجود آپ کی مقدس ذات کا انکار کیا جائے تو کیا کفر نہیں ہوگا۔ یقیناً و ایماناً آپ کی مقدس ذات کا انکار کفر ہے۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے انکار سے جو کفر عائد ہو رہا ہے اس کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے؟

کفر کے احکام یا نتیجہ کے اعتبار سے کفر کے کئی درجے ہیں۔ کبھی کفر توحید و اسلام کے مقابل میں کیا جاتا ہے اور کبھی ایمان کے مقابل میں۔

(۱) مثلاً ایک مشرک جو خدا کی ذات یا توحید کا منکر ہو یعنی خدائے تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔

(۲) ایک شخص جو خدا کی ذات اور اس کی توحید پر اور انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے مگر حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت اور رسالت کا منکر ہے (جس کو اہل کتاب کہتے ہیں) وہ بھی کافر ہے۔

(۳) اسی طرح ایک شخص خدا کی ذات اور توحید اور انبیاء سابقین علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے کسی ایسے ضروری حکم کا منکر ہے جس کا ماننا دینی لحاظ سے ضروری ہے (اس قسم کے احکام کو ضروریات دین کہتے ہیں) مثال کے طور پر کوئی شخص نماز کے فرض ہونے یا شراب کے حرام ہونے سے یا اسی قسم کے کسی حکم کا انکار کرے تو وہ بھی کافر ہے۔

چنانچہ کتب علم کلام اور فتاوی فقہ میں کئی تصریحات ملتی ہیں کہ جس شخص میں اس قسم کے موجباتِ کفر پائے جائیں اس کے کافر ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔

چنانچہ شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ

''کوئی اہل قبلہ (مسلمان) عمر بھر طاعت وعبادت کا پابند ہو مگر عالم کے قدیم ہونے یا حشر نہ ہونے یا خدائے تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہ ہونے یا اسی قسم کا اعتقاد رکھے یا ایسا ہی موجباتِ کفر میں سے کوئی چیز اُس سے صادر ہو تو اس شخص کے کفر میں کوئی نزع اور اختلاف نہیں ہے''

لیکن ان تمام کفر کے اقسام کے احکام یا نتیجہ میں دینی اعتبار سے فرق ہے۔ چنانچہ اس کے خلاصہ کے طور پر یہ ہے کہ

پہلی قسم کے کفار یعنی مشرکین کا ذبح کیا ہوا جائز نہیں۔ مسلمانوں میں اور ان میں وراثت جاری نہ ہوگی۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کا نکاح دونوں جانب سے جائز نہیں۔ مسلمانوں کے بعض معاملات میں ان کی گواہی قبول نہیں ان کو عذابِ آخرت سے نجات نہیں۔

اس کے مقابل دوسری قسم کے کفر کا یہ حکم ہے کہ ان کو بھی آخرت کے عذاب سے نجات نہیں۔ مسلمانوں اور ان میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

مسلمانوں کے بعض معاملات میں ان کی گواہی بھی جائز نہیں لیکن اہلِ کتاب کا ذبح کیا ہوا مسلمانوں کو جائز ہے۔ ایک طرفہ نکاح صحیح ہے یعنی کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کو نکاح کرنا جائز ہے۔

تیسری قسم کے کفر کا یہ حکم ہے کہ عذابِ آخرت اور عبادات میں اقتداء کے سوائے تقریباً وہ سب احکامِ کفر جو مشرکین اور اہل کتاب سے متعلق ہیں وہ ان پر جاری نہ ہوں گے۔ مثلاً ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں وراثت جاری ہوگی۔ چنانچہ فرائض شریفیہ میں لکھا ہے کہ

''اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اختلافِ دین وملت مانع وراثت ہے۔ لیکن اہل اہوا میں وراثت جاری ہوگی کیونکہ وہ انبیاء وکتب کے ماننے والے ہیں اور صرف کتاب وسنت کی تاویل میں مختلف ہیں اور اس سے اختلافِ ملت لازم نہیں آتا''

اسی وجہ سے تمام فرقہ ہائے اسلام میں باہم وراثت جاری ہوتی ہے۔

ایک مسئلہ ''اطلاق الکفر بموجب شرعی'' کا ہے جس کے تحت جہاں کوئی موجبِ شرعی کفر کا موجود ہو وہاں کفر کا اطلاق کرنا گویا

شارع کے حکم کے اتباع میں ہے۔اور یہ جائز ہے۔ چنانچہ اصولِ قانون بھی یہی ہے کہ کسی کو کسی قانونی وجہ کے بغیر مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔مگر کسی قانون کے تحت کسی کو ضرور ملزم یا گنہگار یا مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔

پس تمام اکابر اُمّت اور آئمہ دین نے جو احکام کفر جن جن باتوں میں جاری کئے ہیں وہ سب اسی قسم میں داخل ہیں کہ ان کے اعتقاد یا اصول کے نظر کرتے کوئی نہ کوئی موجب شرعی کفر پایا جاتا ہے۔

لہذا حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے انکار سے جو کفر عائد ہو رہا ہے اسی ''اطلاق الکفر بموجب شرعی'' کے تحت داخل ہے اور یہ کفر' کفرِ شرعی ہے۔

اسی حکم شرعی کے تحت مہدوی حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے انکار کرنے والوں کی عبادات میں اقتداء کو جائز نہیں سمجھتے۔اس کے سواء ہر معاملہ میں ان کے ساتھ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم
وَالۡمَهۡدِیِّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَيۡهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسۡلِيۡم

سوال: مہدوی روزانہ عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے جو تسبیح کہا کرتے ہیں کیا ان کا یہ عمل سنتِ رسول اللہ ﷺ کے تحت صحیح ہے؟

جواب: اسلام میں مختلف اوقات میں مختلف تسبیحات کہی جاتی ہیں اپنے اپنے مقام پر ان تسبیحات کی ضرورت اور مصلحت پر غور کیجئے۔

اس سلسلہ میں تسبیحات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) روزانہ پانچ وقت کی نمازوں سے پہلے جو اذاں دی جاتی ہے وہ کیا ہے؟ وہ بھی ایک تسبیح ہی ہے۔ **حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ** اور **حَیَّ عَلَی الۡفَلَاح** کے الفاظ کے علاوہ باقی تمام کلمات وہی ہیں جو مختلف تسبیحات میں پڑھے جاتے ہیں۔ ان کلمات میں **حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ** اور **حَیَّ عَلَی الۡفَلَاح** کے کلموں کو شامل کر کے اس کا نام اذاں رکھ دیا گیا۔

غرض ان پانچوں وقت کی اذاں کا کیا مطلب ہے؟ یہی مطلب ہے کہ دوسرے نمازیوں کو نماز کا بلاوا اور دعوت دی جارہی ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ جماعت کی تیاری ہورہی ہے' نماز کی طرف آؤ' بھلائی کی طرف آؤ۔ اس سے سننے والے کے دل و دماغ پر اللہ کی طرف اور اللہ کی عبادت کی طرف پلٹنے کا خیال اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) اگر جنگل میں بھی نماز جماعت سے پڑھی جائے تو وہاں بھی اذاں دینے کا حکم ہے۔ (یعنی جنگل میں بھی اذاں دی جاتی ہے) جنگل میں اذاں دینے کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہاں بھی کسی کو نماز کی دعوت دی جاری ہے؟ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ اذاں کی آواز سے قریب میں اگر کوئی جنگلی جانور یا درندہ وغیرہ ہو تو دور ہو جائے کیوں کہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ انسانوں سے جنگلی جانور اور درندے وغیرہ خود بہت ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ جہاں کسی انسان کی آہٹ پائی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ کے نیک بندے اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ نماز میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اور کامل اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

اذاں ایک ہی ہے مگر مقام کے بدل جانے سے اس کے اثرات اور نتائج بھی بدل رہے ہیں۔

(۳) جنگ کے موقع پر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے نعرے لگائے جاتے ہیں یہ بھی تسبیح کا ایک حصہ ہے مگر جنگ کے موقع پر نعرہ لگانے کا کیا مقصد اور مطلب ہے؟

یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور برتری اور اس کے جلال و جبروت کا تصور دل و دماغ پر چھا جائے۔ دشمنوں کے غلبہ اور حملہ سے نہ گھبرایا جائے بلکہ اللہ بزرگ و برتر کے جلال و جبروت کے تصورات کو دل و دماغ پر جمایا جائے۔

چنانچہ ان نعروں کے اثرات یہ ہوتے ہیں کہ قلب میں ایک قسم کا جوش و خروش پیدا ہوتا ہے' شجاعت' بہادری کی اُمنگ اور ولولہ پیدا ہوجاتا ہے۔ شہادت کا شوق جوش مارنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقتوں سے مدد ہوتی ہے۔ مجاہد میدانِ جنگ میں موت سے

دو چار ہونے کو ایک کھیل سمجھنے لگتا ہے۔

یہ ایک فطری کیفیت ہے چنانچہ کھیل کے میدانوں میں فٹ بال ہو کہ کرکٹ' ہاکی ہو یا اور کوئی کھیل ایسے موقع پر جب کہ دو پارٹیاں ایک دوسرے کے مقابل ہوتی ہیں۔ بارہا کا تجربہ ہے کہ بہترین کھلاڑی کا نام لے کر پکارا جاتا ہے۔مختلف نعرے لگائے جاتے ہیں۔جس سے کھلاڑیوں کے دلوں میں ایک جوش بھر جاتا ہے۔کھلاڑیوں کے دل و دماغ سے ماحول اور اطراف کا عالم گم ہو جاتا ہے۔ کھیل اور جیتنے کے لئے تن من کی بازی لگا دیتا ہے۔

نعروں کے الفاظ تو جدا جدا ہیں مگر نعرہ لگانے کا فعل تو ایک ہی ہے۔نعروں کا مقام بدلنے سے نعروں کے اثرات اور نتائج بھی بدل رہے ہیں۔ایک نعرے کا نتیجہ یہ ہے کہ موت ایک دلچسپ مشغلہ اور ایک کھیل بن رہی ہے اور ایک نعرے کا اثر یہ ہے کہ کھیل اور صرف کھیل ہے مگر نعروں کے اثرات اور نتائج سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) ایام تشریق یں ہر فرض نماز کے بعد ہی تکبیرات بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔وہ بھی ایک تسبیح کی حیثیت ہے۔یہ کیوں کہی جاتی ہے؟ ایام تشریق کے کیا معنی؟

تشریق کے معنی گوشت سکھانے کے ہیں۔چونکہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت سکھایا جاتا ہے (حج کے موقعہ پر مکہ معظّمہ میں لاکھوں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے جن کا گوشت پہاڑیوں پر سکھایا جاتا ہے) اس تعلق سے ان دنوں کا نام ایام تشریق رکھا گیا۔مگر سوال یہ ہے کہ ان دنوں میں ہر فرض نماز کے بعد ہی تمام دنیا کے مسلمانوں کا تکبیرات کہنے کا کیا مقصد اور مطلب ہے؟ یہی مطلب ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور بندگی کے بعد اس کی بزرگی وعظمت کا اللہ کی معبودیت کا اور اس کی حمد کا بلند آواز سے بیان اور اقرار کر کے نفس کو اور نفس کی خواہشات کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربان کرنے کے لئے تیار کیا جائے اور اس کے اثرات اور تصورات کو دل و دماغ پر جمایا جائے۔

(۵) عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے عیدگاہ یا مسجد کو جاتے ہوئے راستہ سے تکبیرات بلند آواز سے کہی جاتی ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ یہی مطلب ہے کہ بندۂ مومن کا جو قدم اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھ رہا ہے اللہ تعالیٰ کی بزرگی وعظمت' اس کی معبودیت اور حمد کے اقرار کے ساتھ بڑھ رہا ہے جس سے ماحول تک متاثر ہو رہا ہے۔اگر چہ کہ اس زبانی اقرار کا تعلق زبان اور اعضاء ظاہری سے ہے۔مگر اس کے اثرات یہ ہیں کہ قلب میں خدا ترسی' پرہیزگاری' عاجزی اور انکساری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔پھر یہی جذبات ترقی کرتے کرتے روح کی ناقابل بیان کیفیت تصدیق وتسلیم کو جسم وقلب سب پر حاوی اور مسلط کر دیتے ہیں۔یہی اثرات عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی دیتے وقت' خوفِ خدا' خلوص اور صداقت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔اور بندہ تسلیم و رضا کا پیکر بن جاتا ہے۔

سبحان اللّٰہ وبحمدہ کہ راستہ میں بلند آواز سے تکبیرات (جو تسبیح ہی کی ایک قسم ہے) کہنے سے کیا اثرات اور نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔

(۶) رمضان کے مہینے میں نماز تراویح کے درمیان تو مختلف تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اور کچھ بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔مگر تراویح اور وتر ختم کرنے کے بعد تمام نمازی بہت بلند آواز سے جو تمام محلّہ میں گونج جاتی ہے یہ تسبیح پڑھتے ہیں۔

سُبۡحٰنَ ذِی الۡمُلۡکِ وَالۡمَلَکُوۡتَ الخ [1]

یہ بھی تسبیح میں اللہ تعالیٰ کی پاکی' اختیار' عزت وعظمت' قدرت وکبریائی اور بادشاہی کا اعلان اور اقبال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا فرشتوں کا اور روح کا پروردگار ہے اقرار اور اقبال کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کا اعلان اور اقرار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بندہ اپنی بخشش اور جنت کی عطا کے لئے درخواست (عرضی) کرتا ہے آخر میں دوزخ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جاتی ہے۔

غور کیجئے کہ عشاء کی نماز ادا کی گئی۔ نماز تراویح کی بیس رکعتیں بھی ادا کر لیں' قراءت قرآن بھی ہوئی' وتر کی نماز ادا کر کے دعاء قنوت میں ایک مکمل دستاویز اور اقرار نامہ تک پیش کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ تراویح کی تسبیح پڑھی جا رہی ہے۔ وہ بھی اس قدر بلند آواز سے کہ تمام محلّہ گونج رہا ہے۔ اس کا کیا مقصد ہے؟ اس مقصد کی تفصیل یہ ہے کہ

ماہرین علمِ نفسیات کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ روح کا اثر جسم پر پڑتا ہے اور جسم کے اعمال وافعال کا اثر روح پر پڑتا ہے۔

چنانچہ انسان جب کسی خوفناک چیز کو دیکھتا ہے یا کوئی خوف اور خطرے کی اطلاع سنتا ہے تو خوف کھاتا ہے تو پہلے روح متاثر ہوتی ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ پیلا پڑ جاتا ہے جسم میں لرزہ اور کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ جسمانی تعلق سے اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ صرف دیکھنے یا سننے کے تعلق سے یہ اثر پیدا ہو رہا ہے۔

اسی طرح اگر کسی انسان کو گالی دی جائے تو روح کو سخت ناگوار گزرتا ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر چہرہ غصہ سے لال ہو جاتا ہے اور اس قدر غصہ اور جوش بھر جاتا ہے کہ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں حالانکہ جسمانی تعلق سے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی۔

اسی طرح انسان جب زبان سے نیک الفاظ' اچھی اور عمدہ گفتگو (بات) کرتا ہے اور اس کے نیک اور اچھے اثرات دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر مسرت اور خوشی کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی انسان کی تعریف کی جائے یا خوشی کی خبر سنائی جائے تو تعریفی الفاظ سن کر یا خوشی کی اطلاع پا کر روح خوش اور مسرور ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں چہرے پر خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

اسی طرح بندۂ مومن کسی نعرے یا تسبیح کو بلند آواز سے کہتا ہے تو اس کے اثرات روح اور دل ودماغ پر بہت گہرے ہوتے ہیں۔ جس قدر جوشِ قلبی اور کمال صداقت کے ساتھ نعرے لگائے جائیں گے یا تسبیح پڑھی جائے گی یقیناً اس کے اثرات بھی روح اور دل ودماغ پر اسی قدر گہرے ہوں گے۔ اسی لئے رمضان میں بعد نماز تراویح وہ تسبیح بلند آواز سے کہی جاتی ہے جس سے اللہ کے نیک اور عبادت گزار بندوں پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے اور ایسے مسلمان جو اس نماز میں شریک نہیں تھے وہ بھی سن پاتے ہیں اور ان کے دلوں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت اور خلوص پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور جبروت سے متاثر ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

[1] مہدوی بھی یہ تسبیح نماز تراویح اور نماز وتر ختم کرنے کے بعد پڑھتے ہیں مگر بلند آواز سے نہیں بلکہ انفرادی طور پر آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں۔ انفرادی اور آہستہ پڑھنے کی سند غایۃ الاوطار میں طحاوی کے حوالہ سے ملتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے یہ تسبیح آہستہ پڑھی ہے۔

تسبیح کے اثرات اور نتائج اس قدر اہم ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سال میں ایک مرتبہ رمضان ہی کے دنوں میں کیوں؟ اگر روزانہ اسی طرح تسبیح پڑھی جائے تو اور بھی بہتر ہوگا۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔

اس کا جواب آسانی سے یہ دیا جاسکتا ہے کہ چونکہ نماز تراویح بھی سال میں ایک مرتبہ صرف رمضان ہی کے مہینے میں پڑھی جاتی ہے اور یہ تسبیح بھی تراویح سے متعلق ہے اس لئے سال میں ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح رمضان کے روزوں کی بھی یہی کیفیت ہے کہ سال میں صرف ایک مہینہ ہی رکھے جاتے ہیں۔

یہاں سوال نہ رمضان کے روزوں کا ہے اور نہ نمازِ تراویح کا' سوال صرف تسبیح کا ہے اور اس کے اثرات اور نتائج کا ہے۔ جس کو ہم آگے ثابت کررہے ہیں کہ تسبیح تو روزانہ ہونی چاہئے۔

غرض مختلف اوقات میں مختلف حیثیت سے جو تسبیحات کہی اور پڑھی جاتی ہیں ان کی ضرورت' مصلحت اور اس کے اثرات ونتائج آپ کے سامنے آگئے اور معلوم ہوگیا کہ مختلف مقاصد کے تحت مختلف تسبیحات کہی جاتی ہیں اور ہر تسبیح اپنی جگہ اپنے مقاصد اور نوعیت کے اعتبار سے صحیح ہے۔

جس قدر اسلامی اعمال وافکار ہیں وہ قرآن حکیم اور سنت حضرت رسول اللہ صلعم کے اتباع میں ہیں تو صحیح اور بہتر ہوں گے ورنہ غلط ہوں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے پارہ (۱۵) اور رکوع (۵) میں فرماتا ہے کہ

''تسبیح کرتے ہیں اس کے واسطے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی کہ ان کے بیچ میں ہے اور کوئی چیز بغیر اس کی تسبیح اور تعریف کے نہیں ہے لیکن ان کی تسبیح کو تم نہیں سمجھتے''

اور قرآن مجید کے پارہ (۲۷) سورۃ رحمٰن میں فرماتا ہے کہ

''بوٹیاں اور درخت سجدہ کرتے ہیں''

خدائے تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہورہا ہے کہ کائنات عالم میں جتنی مخلوق ہے وہ تمام خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اور سجدہ کرتی ہیں اور ان کا روزانہ کا یہ عمل برابر جاری ہے۔

اب بندۂ مومن پر غور کیجئے کہ وہ بھی نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اور سجدے کرتا ہے۔ اب رہ گئی تسبیح اس کی بھی ادائی ضروری ہے۔ یوں تو نماز میں سب کچھ ہورہا ہے مگر تسبیح نماز میں داخل نہیں ہے۔

یہاں دعاؤں کا بیان نہیں ہورہا ہے بلکہ تسبیح کا بیان ہورہا ہے۔ اس لحاظ سے مستقل طور پر نمازوں سے الگ روزانہ تسبیح کا عمل ہونا چاہئے۔

قرآن حکیم کی توضیح اور تشریح ہم کو حضور اکرم حضرت رسول اللہ صلعم کے ارشاد اور عمل ہی سے مل سکتی ہے۔ اس لئے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ تسبیح کے سلسلہ میں حضور سرور کونین حضرت رسول اللہ صلعم کا کیا عمل تھا؟

چنانچہ حدیث کی مشہور اور صحیح کتاب نسائی شریف میں ''اَلتَّسبِیح بعد الفراغ مِنَ الْوِتر'' کے تحت یہ روایت بیان کی گئی

ہے کہ

رسول اللہ صلعم وتر میں سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور سورہ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھتے تھے اور سلام کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ سُبْحٰنَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْس فرماتے تھے۔

دوسری روایت میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ تیسری مرتبہ آواز بہت بلند فرماتے تھے۔

اس تمام تفصیل اور قرآن حکیم اور عملِ حضرت رسول اللہ ﷺ سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ بندۂ مومن کو پانچ وقت کی نمازیں جو حمد اور سجدے پر مشتمل ہیں ادا کرنا چاہیئے۔

دوسری یہ کہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد تسبیح پڑھنا چاہیئے۔

اب مہدویوں کے عمل پر غور کیجئے کہ روزانہ پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ اور روزانہ عشاء کی نماز کے بعد تسبیح کہا کرتے ہیں۔

ان کا یہ عمل عین قرآن مجید اور سنت حصرت رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں صحیح اور حق ہے۔ جس سے اتباعِ قرآن مجید اور اتباعِ سنت حضرت رسول اللہ ﷺ دونوں ثابت ہو رہی ہیں۔

مہدوی روزانہ عشاء کی نماز کے بعد جو تسبیح کہتے ہیں اُس پر غور کیجئے کہ یہ تسبیح تمام تعلیمات قرآنی کا خلاصہ ہے کہ نہیں؟ تسبیح کے الفاظ یہ ہیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے	محمد (صلعم) اللہ کے رسول ہیں
اَللّٰہُ اِلٰھُنَا	مُحَمَّدٌ نَّبِیُّنَا
اللہ ہمارا معبود ہے	محمد (صلعم) ہمارے نبی ہیں
اَلْقُرْاٰنُ وَالْمَھْدِیُّ اِمَامُنَا	اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا
قرآن اور مہدی ہمارے امام ہیں	ہم ایمان لائے اور اس کی تصدیق کیئے

اس تسبیح کو تمام حاضرین مسجد (مصلیان) عشاء کی نماز کے ختم کے بعد روزانہ بہت بلند آواز سے ایک ساتھ کہتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس تسبیح کی کچھ تشریح کر دی جائے۔

اس تسبیح کا پہلا حصہ تو کلمہ طیب یا کلمہ توحید ہے جس سے اسلام کا اظہار ہوتا ہے یعنی ''اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں''

غور کیجئے یہ کلمہ ایک جملۂ خبریہ کا کام دیتا ہے۔ اس سے ہماری ذات کو کیا ملتا ہے؟ تاوقتیکہ اس کلمہ سے اپنا تعلق قائم نہ کرلیں۔

بلا تشبیہ صرف سمجھنے کے لئے ایک مثال پر غور کیجئے کہ

''نہیں ہے کوئی ٹھیکہ دار سوائے زید کے' اور بکر اس کا گماشتہ ہے''

غور کیجئے کہ اس جملہ کی ایک اطلاعی حیثیت نہیں تو اور کیا حیثیت ہے اس جملہ سے ہماری ذات کا کیا تعلق؟ ہوگا کوئی زید ٹھیکہ دار ہوگا' کوئی بکر اس کا گماشتہ' ہمیں اس سے کیا مطلب اور کیا واسطہ؟

اسی کیفیت کو دور کرنے کے لئے مہدوی اس کلمۂ توحید سے اپنا تعلق اور اپنی نسبت بہ بانگ دہل اقرار کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ اَللّٰہُ اِلٰھُنَامُحَمَّدٌ' نَّبِیُّنَا اللہ ہمارا معبود ہے اور محمد (صلعم) ہمارے نبی ہیں۔

(یہ تسبیح کا دوسرا حصہ ہے) یعنی یہ کہ اللہ کے سوائے ہمارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہیں کرتے جس طرح قرآن حکیم میں حکم دیا گیا کہ تم اپنی ہر نماز میں کہو کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی کی عبادت کی جارہی ہے پھر بھی اس کے دربار میں کھڑے ہو کر کہنا اور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' اسی طرح مہدوی ہر روز اعلان اور اقرار کرتے ہیں کہ ''اللہ ہمارا معبود ہے اور محمد (صلعم) ہمارے نبی ہیں''

اس کے علاوہ اَللّٰہُ اِلٰھُنَامُحَمَّدٌ' نَّبِیُّنَا مراتب ایمانِ مفصل کا خلاصہ ہے یعنی جب کسی نے اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ مان لیا اور حضرت محمد صلعم کی نبوت کا اقرار کرلیا تو یقیناً اس نے خدا' فرشتوں' آسمانی کتابوں' انبیاء اور قیامت وغیرہ کے تمام احکام ایمانی پر ایمان لالیا۔ قربان جایئے تسبیح کے اس مختصر جملے پر کہ سارے قرآنی احکام کا خلاصہ ہے۔ غرض مہدوی اَللّٰہُ اِلٰھُنَامُحَمَّدٌ' نَّبِیُّنَا میں لفظ نَا یعنی'' ہمارے'' کے لفظ سے اللہ تعالیٰ اور حضرت نبی صلعم سے اپنا تعلق اور اپنی نسبت بھی جوڑ لیتے ہیں۔ اور بہ آوازِ بلند اس کا اعلان اور اقرار کرتے ہیں۔

اس کے بعد تسبیح کا تیسرا حصہ اَلْقُرْاٰنُ وَالْمَھْدِیُّ اِمَامُنَا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کی معرفت اور ان تک پہنچنے کے لئے وسیلہ اور امام چاہئے۔ بغیر وسیلہ اور ذریعہ کے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے پارہ (۶) رکوع (۱۰) میں ارشاد فرماتا ہے کہ وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ یعنی اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کے لئے وسیلہ ضروری ہے۔

اس کے علاوہ قرآن اور مہدیؑ کی امامت قرآن مجید اور حدیث حضرت رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ توریت کو اِمَامًا وَرَحْمَۃً فرمایا ہے جب توریت کو اللہ تعالیٰ نے امام فرمایا قرآن بدرجۂ اولیٰ امام ہے۔ اور حضرت حضور کونین رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

''جس نے قرآن کو اپنا امام بنالیا تو قرآن اس کو جنت کی طرف کھینچ لے جائے گا اور جس نے قرآن کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا تو اس کو جہنم کی طرف گھسیٹ لے جائے گا''

اللہ تعالیٰ کے فرمان اور حدیث حضرت رسول اللہ صلعم سے قرآن کا امام ہونا ثابت ہوا۔

غرض قرآن مجید کی امامت سے مشرک کے سوا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کی

امامت قرآن حکیم اور احادیث حضرت رسول کریم ﷺ متواتر المعنی سے ثابت ہے۔

روزانہ کی نمازوں کے عمل پر غور کیجئے کہ جب ہم جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو نماز کی نیت میں حوالہ دینا پڑتا ہے کہ اِقْتَدَیْتُ بِھٰذَا الْاِمَامُ یعنی میں اقتدا کرتا ہوں اس امام کی جب تک امامت کا اظہار اور اقرار نہ کیا جائے نماز درست نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا مہدوی قرآن مجید اور حضرت امامنا سیدنا مہدی موعودؑ دونوں کی امامت کا بلند آواز سے اعلان اور اپنے ایمان لانے اور تصدیق کرنے کا اقرار کرتے ہیں اس طرح روزانہ بلند آواز سے تسبیح کہنے سے دو باتیں حاصل ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ اس کا تمام فضائے عالم میں اعلان اور اظہار ہوتا ہے اور حضرت رسول اللہ صلعم کا اتباع ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ماہرین علم النفسیات کے مسلمہ اصول کے تحت جس قدر جوش و خروش کے ساتھ تسبیح کہی جائے گی اُسی قدر دل و دماغ اور روح پر اس کا گہرا اثر ہوگا۔

چنانچہ مہدویوں کے دل و دماغ پر اس قدر گہرا اثر پڑتا ہے کہ ایک مہدوی دنیائے عالم کو قربان کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد اپنی عزت آبرو اور اپنی جان کو تک قربان کر دیتا ہے۔ مگر اپنی اس تسبیح کو نہیں چھوڑ سکتا۔

تمام دنیا کے کاروبار سے فرصت پا کر دن اور بیداری کے عالم سے جدا ہو کر اب نیند اور آرام کے عالم میں جا رہا ہے تو جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے فارغ ہو کر اس تسبیح سے اپنے دل و دماغ پر اپنی روح پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معبودیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت و نبوت اور قرآن حکیم کی ہدایت و امامت اور حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کی امامت کے اقرار سے اثرات اور کیفیات کو دل و دماغ پر قائم کر کے نیند کے عالم میں جاتا ہے جب بیدار ہوگا تو انہی تصورات و کیفیات کو لئے ہوئے بیدار ہوگا گویا مہدوی اس تسبیح کی وجہ سے تمام رات تصورات کی دنیا میں انہیں تصورات اور کیفیات میں گزارتا ہے۔

نیند کے عالم میں اگر موت واقع ہو جائے اور جب قبر میں اور میدانِ حشر میں بیدار ہوگا تو تسبیح کے انہیں تصورات اور کیفیات کو لے کر بیدار ہوگا۔

الحمدللہ کہ ہر طرح ثابت ہوا کہ مہدوی روزانہ عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے جو تسبیح کہا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن مجید اور سنتِ حضرت رسول اللہ صلعم کے اتباع میں صحیح اور حق ہے اور بے حد دور رس نتائج کا باعث ہے۔

حصہ دوم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّاَعْطِهِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِیْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا
مَحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِیْعَادُO

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَہۡدِیِّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

سوال : مہدوی نفل نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟ جب کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے نفل نماز پابندی کے ساتھ پڑھی ہے۔

جواب : پہلے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ نفل نماز کا درجہ مقام شریعت میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے احکام واعمالِ حضرت رسول اللہ صلعم کے تحت شریعت کا قانون اور حدود مقرر کرنے والے آئمہ کرام چار ہیں۔ جن کو جمہور اسلام مانتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت امام اعظمؒ

(۲) حضرت محمد بن ادریس امام شافعیؒ

(۳) حضرت امام مالکؒ

(۴) حضرت امام احمد حنبلؒ

سب سے پہلے حضرت امام مالکؒ نے احادیث حضرت رسول اللہ صلعم کو جمع کیا اور حدیث کی کتاب موطا لکھی اور مدینہ طیبہ میں اس کے درس کا آغاز کیا۔

آپ کے بعد حضرت ابوحنیفہ امام اعظمؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے احادیث جمع کرنے اور احکامِ فقہ ترتیب دینے کا کام انجام دیا۔ اس کے بعد حضرت امام احمد حنبلؒ اور دیگر ائمہ حدیث نے خدمات انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلعم کے احکام وفرامین میں یعنی قرآن واحادیث میں کسی عبادت کے فرض وواجب اور کسی کے مستحب اور نفل ہونے کی صراحت کم کی گئی ہے۔ بلکہ ائمہ کرامؒ مجتہدین اور علمائے اُمّت نے اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلعم کے احکام کی اہمیت تاکیدات' فضائل اور وعیدات اور قراین کا لحاظ کرکے اپنی رائے اور قیاس سے کسی عبادت یا عمل کو فرض قرار دیا ہے اور کسی کو مستحب اور کسی کو نفل کہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک فعل کسی امام کے پاس فرض ہے تو وہی فعل دوسرے امام کے پاس مستحب ہے جس کی بے شمار مثالیں فقہی مسائل میں ملتی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کے پاس احکام شریعت کے اقسام فرض' سنت اور مستحب کے علاوہ واجب اور نفل بھی ہیں۔

حضرت امام اعظمؒ کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ حضرت امام احمد حنبلؒ کے پاس بنیادی حیثیت سے شریعت کے احکام کی صرف تین قسمیں ہیں۔

(۱) فرض (۲) سنت (۳) مستحب۔

ان تینوں ائمہ کرام کے پاس واجب اور نفل کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اور ان کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے نفل نماز پڑھی ہے کہاں تک صحیح اور درست ہوسکتا ہے؟

غور کیجئے کہ جو نماز کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے ادا فرمائی اور پھر پابندی سے ادائی فرمائی تو ایسی نماز کو احکام شریعت کے تحت سنت کہیں گے یا نفل کہیں گے؟ پابندی کی شرط سے تو وہ نماز جس کی پابندی حضور اکرم ﷺ نے فرمائی ہو سنت کہلانا چاہیئے نہ کہ نفل کہلانا چاہئے۔

حضرت رسول اللہ صلعم نے فرض اور سنتیں ادا فرمائیں ہیں۔ اس کے سوا جو نمازیں حضور اکرم نے ادا فرمائی ہیں ان کو مستحب کہتے ہیں جن کی تفصیلات احادیث شریفہ میں صلوٰۃ الضحٰی یا تطوع کے سلسلہ میں ملتی ہیں۔ مثلاً نمازِ اشراق نمازِ ضحٰی وغیرہ۔

ان نمازوں کو بھی حضرت رسول اللہ صلعم نے مسجد میں ادا نہیں فرمایا بلکہ اپنی قیام گاہ میں ادا فرمایا ہے۔ پھر یہ بھی کہ قیام گاہ میں پابندی سے بالالتزام ادا نہیں فرمایا۔ کیونکہ حضور مکرم صلعم کے پابندی سے عمل فرمانے پر فرض ہوجانے کا احتمال ہوتا تھا۔

چنانچہ تراویح کی نماز کی کیفیت اس امر پر شاہد ہے آپ صلعم نے فرمایا کہ ''اگر میں اُس وقت نکل آتا تو تم لوگوں پر تراویح کی نماز فرض ہوجاتی۔

اس کی پوری تفصیل ہم نے ''ہمارا مذہب حصہ اول'' کتاب میں دیدی ہے۔ ملاحظہ کر لیجئے۔

جن نمازوں کو حضرت ابوحنیفہ امام اعظمؒ واجب کہتے ہیں ان نمازوں کو باقی تین جلیل القدر ائمہ کرام سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ وتر اور عیدین کی نمازوں کو واجب کہتے ہیں۔

وتر اور عیدین کی نمازوں کو حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد حنبلؒ سنت کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام العرفان محبوب سبحان شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ چونکہ حضرت امام احمد حنبلؒ کے مذہب (فقہ) پر چلتے ہیں اس لئے آپ حنبلی کہلاتے ہیں۔ حنبلی ہونے کی حیثیت سے آپ بھی وتر اور عیدین کی نمازوں کو سنت ہی قرار دیتے ہیں۔

مستحب کی تعریف چاروں ائمہ کرام کے پاس یہ ہے کہ

''جو فرض اور سنت کے سوا اور اس سے زائد ہو، جس کے ادا کرنے پر ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کے ترک کرنے پر عذاب نہیں''

مستحب، تطوع اور نفل ان سب کا معنی زیادتی کے ہیں۔ ایسی صورت میں جب کہ مستحب، تطوع اور نفل تعریف اور نتیجۂ فعل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں تو پھر خاص نفل کا سوال کہاں باقی رہتا ہے۔

نوافل کے سلسلہ میں جتنی نمازیں روایت کی گئیں ہیں ان میں سے صرف صلوٰۃ الاشراق، صلوٰۃ الضحٰی، صلوٰۃ التحیۃ الوضو اور صلوٰۃ التحیۃ المسجد کی سند حضرت رسول اللہ صلعم سے ملتی ہے کہ آپ نے پڑھی ہے جن کو مستحب کہا گیا ہے جن کے اوقات بھی پانچ وقت کی نمازوں سے علیحدہ ہیں۔

مندرجہ صدر نمازوں میں سے صلوٰۃ التحیۃ الوضوء اور صلوٰۃ التحیۃ المسجد کو بعض ائمہ کرام نے حضور اکرم صلعم

کی پابندی کے نظر کرتے سنت کہا ہے۔باقی دیگر نمازیں مثلاً صلوٰۃ الاوابین، صلوٰۃ الحاجت، صلوٰۃ التسبیح اور صلوٰۃ الاستخارہ وغیرہ کی صرف روایتیں بیان کی جاتی ہیں اور مروی ہے لکھ دیا جاتا ہے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی۔ان نمازوں کے سلسلہ میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف بھی ہے۔حتیٰ کہ ان کی رکعتوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ صلوٰۃ الاستسقاء بیان کی جاتی ہے۔جس کے سلسلہ میں حضور سرورکونین صلعم کا صرف دعاء کرنا بیان کیا گیا ہے۔نماز کے ادا کرنے کی روایت نہیں ملتی۔اسی طرح صلوٰۃ الاستسقاء کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا صرف استغفار پڑھنا بیان کیا جاتا ہے۔

ایسی صورت میں غور کیا جائے کہ دورِ حاضر میں جو نفل نمازیں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں کہاں تک صحیح اور درست ہوسکتی ہیں؟ اور نفل کہی جاسکتی ہیں۔

نفل نماز کی حقیقت

حضور سرورکائنات حضرت رسول اللہ صلعم نے جو نفل نماز پڑھی ہے وہ یہ نفل نماز نہیں ہے جو موجودہ زمانہ میں پڑھی جاتی ہے بلکہ ان پانچ وقت کی نمازوں اور ان کے اوقات سے الگ رات کے تیسرے حصہ میں نفل نماز پڑھی ہے جس کو قرآن حکیم نے اپنی زبان میں ''تہجد'' کہا ہے۔چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا صاف اور صریح ارشاد ہے کہ

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ o اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا o وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ o عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا o (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۸،۷۹)

یعنی نمازیں ادا کیجئے آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کا اندھیرا ہونے تک اور صبح کی نماز بھی بے شک صبح کی نماز حاضری کا وقت ہے۔اور رات کے حصہ میں بھی ''تہجد'' پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز (نفل) ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا''

ف قرآن حکیم کی ان آیات شریفہ میں اولاً جن نمازوں کے قائم کرنے کا حکم ہورہا ہے وہ پانچ وقت کی فرض نمازوں کا حکم ہے۔چنانچہ اس پر کئی جلیل القدر صحابۂ کرام اور مفسرین کا اجماع ہے۔

فرض نمازوں کے بعد حضرت رسول اللہ صلعم کے اتباع میں وہ نمازیں ہیں جن کو سنت کہتے ہیں۔فرض اور سنت کے بعد ان دونوں سے زائد جس نماز کا اشارہ ہورہا ہے وہ ''تہجد'' ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے '' نَافِلَۃً '' جو فرمایا ہے اس کے معنی زائد کے ہیں۔اور اس زائد (نفل) کو تہجد کی نماز سے متعلق کرکے ارشاد ہورہا ہے اور وقت کے تعین کے ساتھ ہورہا ہے کہ ''رات کے حصہ میں تہجد ادا کیجئے جو آپ کے لئے زائد (نفل) ہے۔

حقیقت میں جو نفل نماز ہے اس کو چھوڑ دیا گیا اور ایسی نماز کو نفل نماز قرار دے کر اختیار کرلیا گیا جس کی سند نہیں ملتی۔

غور کیجئے کہ پانچ وقت کی نمازوں میں جہاں فرض، سنت ادا ہورہی ہے اس کے مقابل نفل نماز جس کو اختیار کرلیا گیا ہے کیا مقام رکھتی ہے؟

جو احکامِ خدا اور عملِ حضرت رسول اللہ صلعم کے خلاف لازماً پڑھنا ضروری ہو۔ طرفہ یہ کہ جس کے ادا نہ کرنے پر کوئی گناہ اور عذاب تک نہیں۔ ایسی نماز کے لئے اصرار کیا جائے۔

ایسی ہی نفل نمازوں کو جن کو اختیار کرلیا گیا ہے۔ حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور جو حقیقی نفل نماز تھی جس کو قرآن حکیم نے تہجد فرمایا اور پڑھنے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کو حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے خود پڑھا اور اپنے متبعین کو پڑھنے کا حکم دیا جس سے حضرت رسول اللہ صلعم کا پورا، پورا اتباع ثابت ہورہا ہے۔

تہجد کی نماز کے علاوہ ایسی نفل نمازیں مثلاً اشراق اور ضحٰی کی نمازیں جن کی سند حضرت رسول اللہ صلعم سے ملتی ہے، پڑھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

صلوٰۃ التحیۃ الوضو

صلوٰۃ التحیۃ الوضو کو لوگ نفل سمجھتے ہیں جو سراسر غلط ہے بلکہ سنت ہے۔

چنانچہ معلم کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ نے پابندی سے ادا فرمایا ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ کرام نے اس کو سنت کہا ہے۔
چنانچہ دوگانہ تحیۃ الوضو کی نسبت حضور سرور کائنات رسول اللہ صلعم کا صاف ارشاد موجود ہے کہ

"عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں کوئی ایسا مسلمان جو وضو کرے اچھی طرح سے پھر کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے۔ دونوں رکعتوں پر متوجہ ہو کر اپنے دل اور چہرے سے اس کے واسطے جنت واجب ہوگئی۔"

یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی گئی ہے۔ چونکہ حضور حضرت رسول اللہ صلعم نے اس کی نسبت تاکید نہیں فرمائی اس لئے یہ تحیۃ الوضو نماز غیر موکد سنت ہے۔

ف دوگانہ تحیۃ الوضو کے بے شمار فضائل ہیں۔ حضرت بلالؓ کے واقعہ سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضور سرور کائنات حضرت رسول اللہ ﷺ کو جس رات معراج مبارک ہوئی تھی اس کی صبح میں حضرت بلالؓ کو نزدیک طلب فرما کر دریافت فرمایا حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے صبح کی پس بلالؓ کو بلایا یعنی بعد نماز صبح کے فرمایا کہ تو نے بہشت کی طرف کس چیز کے ساتھ مجھ سے پہل کی کہ میں بہشت میں نہیں داخل ہوا مگر میں نے اپنے آگے تیرے ...... چلنے کی آواز سنی۔

بلالؓ نے کہا یا رسول اللہ میں نے کبھی اذان نہیں دی مگر پہلے میں نے دو رکعتیں پڑھیں۔ اور جب وضو کیا میں نے اسی

وقت دو رکعتیں پڑھنا اپنے اوپر لازم کیا اور اس پر ہمیشگی سے پابندی کی۔فرمایا رسول اللہ ﷺ نے انہیں وہ چیزوں کے سبب تو اس درجہ کو پہنچا''

یہ حدیث ترمذی شریف میں اور اسی حدیث کو طہارت کے الفاظ کے ساتھ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی حدیث کی کتابوں میں روایت کیا۔

اس حدیث شریف سے اور اس کے ثواب کے درجہ اور مقام سے اندازہ کیجئے کہ صلوٰۃ التحیۃ الوضو کا کیا مرتبہ ہے اور اس کو ادا کرنے والوں کا کیا مقام ہے۔

حضور سردار دو جہاں حضرت رسول اللہ ﷺ نے خود ادا فرمائی اور حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں دوگانہ تحیۃ الوضو ادا کرنے والوں کو یہ درجہ اور مقام نصیب ہوا۔

اس کے بعد غور کیجئے کہ کیا غلامانِ حضرت رسول اللہ صلعم کا فرض نہیں ہے کہ اس کو پابندی سے ادا کریں۔

اسی لئے حضرت امام الکائنات امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے دوگانہ تحیۃ الوضو کو خود بھی پابندی سے ادا فرمایا ہے اور اپنی اتباع کرنے والوں کو بھی پابندی سے پڑھنے کی تاکید فرمائی۔اور دوگانہ تحیۃ الوضو نہ پڑھنے والوں کو اور اس کی ادائی میں سستی اور غفلت کرنے والوں کو ''دین کا بخیل'' فرمایا ہے۔

غور کیجئے کہ حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے حضرت سرور کونین سیدنا رسول اللہ ﷺ کا کہاں اور کس درجہ تک اتباع فرمایا ہے اور اتباع کی تاکید فرمائی ہے۔

ایسی نفل نمازیں جن کی سند حضرت رسول اللہ ﷺ تک صحیح نہیں پہنچتی صرف روایات کا درجہ رکھتی ہیں ادا کرنے سے یقیناً منع فرمایا ہے۔جس کو ہر عقل سلیم تسلیم کرے گی اور ہر ایمان دار انسان قبول کرے گا۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر وہ نماز جس کی سند عمل حضرت رسول اللہ ﷺ اور قرآن حکیم سے ملتی ہو لازماً ادا کرنا چاہئے اور ہر وہ نماز جس کی سند عملِ حضرت رسول اللہ صلعم اور قرآن مجید سے نہ ملتی ہو یقیناً نہ پڑھنا چاہئے۔

عبادتِ اکبر

فرض اور سنت نمازیں بہ اتباع احکام ادا کرنے کے بعد ایسے عمل اور ایسی عبادت کو اختیار کرنا چاہئے جس کا درجہ نمازوں سے افضل و اعلیٰ ہو۔

مثال کے طور پر ایک عمل کرنے سے صرف ایک روپیہ کا فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا ایک عمل ایسا ہے جس کے کرنے سے ایک سو کا فائدہ ہوتا ہے غور کیجئے کہ عقل سلیم رکھنے والا کونسے فائدے کو قبول کرے گا۔؟ ظاہر ہے کہ ہر عقل مند انسان ایک سو روپیہ کے فائدے کی تمنا کرے گا اور بڑے فائدے ہی کو قبول کرے گا۔

اسی اصول کے تحت تہجد کی نماز کے سوائے دیگر تمام نفل نمازوں کے پڑھنے سے صرف ثواب حاصل ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر نفل نمازوں سے کہیں بڑھ کر افضل واعلیٰ ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ ''اکبر'' فرماتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ o اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ o وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ o (العنکبوت ۴۵) یعنی اور نماز قائم کرو بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں پہلے جن نمازوں کے قائم کرنے کا حکم دیا وہ فرض نماز ہیں اور اتباع حضرت رسول اللہ صلعم میں وہ نمازیں ہیں جن کو سنت کہا جاتا ہے اس طرح پانچ وقت کی نمازیں فرائض اور سنتوں پر مشتمل ہیں۔ ان نمازوں کی تاثیر اور نتائج بھی بیان فرما دیئے کہ ''نماز'' سے بے حیائی اور بُرے کاموں سے حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو ارشاد ہو رہا ہے وہ ''ذکر اللہ'' کا ارشاد ہو رہا ہے۔ حکم کا لوازمہ یہ ہے ذکر اللہ کو نمازوں کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

ایسی صورت میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرائض اور سنتوں کے ادا کرے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے جو بہت بڑا ہے یعنی نمازوں سے بڑھ کر ذکر اللہ کا درجہ اور انعام ہے۔

اب غور کیجئے کہ فرائض اور سنت نمازیں ادا کرنے کے بعد نفل نماز پڑھنا چاہئے جس کا درجہ اور انعام کمتر ہے یا ذکر اللہ کرنا چاہئے جس کا درجہ اور انعام افضل واعلیٰ ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر عقل سلیم رکھنے والا انسان ایسے ہی عمل کو قبول کرے گا جس کا درجہ اور انعام افضل واعلیٰ ہے۔ اس فطری تقاضہ کے علاوہ ارشاد واحکام رب العالمین کے اعتبار سے تو ہر مومن کو بدرجہ اولیٰ اس ارشاد پر عمل کرنا چاہئے۔

اسی لئے مہدوی پانچ وقت کی فرائض اور سنت نمازیں ادا کرنے کے بعد نفل نہیں پڑھتے بلکہ ذکر اللہ کرتے ہیں جس کے کرنے کا حکم قرآن حکیم سے ثابت ہے اور جس کا درجہ اور انعام نفل نماز سے افضل واعلیٰ ہے۔

ذکر اللہ کی فرضیت اور اس کا انعام

استغفر اللّٰہ ، استغفر اللّٰہ صرف سمجھنے کے لئے بلاتشبیہ یہ کہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ ''تم میری نماز پڑھو اور میں تمہاری نماز پڑھوں گا''

صرف اپنے بندوں کو نماز ادا کرنے یا نماز قائم کرنے کا حکم اَقِمِ الصَّلٰوۃ فرمایا ہے۔

مگر سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ کہ ذکر کے سلسلہ میں فرمایا کہ

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ (سورہ بقرہ ۱۵۲) یعنی ''تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا''

اس آیت کریمہ کے پہلے حصے فَاذْکُرُوْنِیْ میں حکم ہو رہا ہے کہ ''تم مجھے یاد کرو'' قانونِ اصول وفقہ کے تحت جس کام کا حکم بصیغہ امر دیا جاتا ہے وہ فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ جس طرح اَقِمِ الصَّلٰوۃ نماز قائم کرو'' کے حکم سے نماز فرض ہے۔ اسی طرح فَاذْکُرُوْنِیْ ''مجھے یاد کرو'' کے حکم سے ذکر اللہ فرض ہے۔

چنانچہ حضرت امام زاہدؒ اسی آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ

''حصول مقصود کے لئے تمام فرائض میں ذکر اللہ بڑا فرض ہے''

پھر اس آیت شریفہ کا دوسرا حصہ اَذْکُرْ کُمْ ''میں تم کو یاد کروں گا'' ذکر اللہ کرنے کا انعام اور صلہ ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ

جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح ذکر اللہ بھی فرض ہے اور ذکر اللہ کا مقام کس قدر بلند ہے اور اس کا انعام بھی کتنا بڑا ہے۔

تو لازم ہوا کہ فرض اور سنت نمازیں ادا کرنے کے بعد ذکر اللہ بھی کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پوری، پوری تعمیل ہو۔ ورنہ تعمیل حکم میں نقص یعنی خرابی آئے گی۔ اسی لئے مہدوی پانچوں وقت کے فرائض اور سنت نمازیں ادا کرنے کے بعد ذکر اللہ بھی کرتے ہیں جو عین احکام رب العالمین اور حضرت محبوب رب العالمین صلعم کا اتباع ہے۔

غور کا مقام ہے کہ جب احکام ربّانی اور اتباع حضور اکرم صلعم کی پوری پوری تعمیل اور تکمیل ہو رہی ہے اور نفل نمازوں سے کہیں ارفع واعلیٰ مقام حاصل ہو رہا ہے تو پھر نفل نماز کا کیا سوال باقی رہ جاتا ہے؟

صلوٰۃ اور ذکر اللہ

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آیت کریمہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرُ o وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر o (بنی اسرائیل ۸۷٬۹۷) میں جو ذکر اللہ بیان کیا گیا ہے اس سے مراد نماز ہی ہے۔ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نماز الگ چیز ہے جس کا بیان اور اثر علیحدہ ہے اور ذکر اللہ الگ چیز ہے جس کا ذکر اور مرتبہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے نماز اور ذکر اللہ دو الگ الگ اعمال میں ہرگز ایک نہیں ہو سکتے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خود نماز اور ذکر اللہ الگ کر کے وضاحت فرما دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ o (النساء۱۰۳) یعنی ''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی''

ہم یہاں اس آیت کریمہ کی پوری تفسیر یا اس کے جملہ گوشوں کا بیان نہیں کریں گے جو ذکر دوام سے متعلق ہیں بلکہ یہاں صرف اتنا بتا دینا ہے کہ نماز اور ذکر اللہ ایک چیز نہیں ہے بلکہ الگ الگ اعمال ہیں۔

چنانچہ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ''فَاِذَا'' کی شرط کے ساتھ فرما رہا ہے یعنی ''پھر جب تم'' قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ ''نماز ادا کر چکو'' یعنی

فرض اور سنتیں ادا کر چکو تو ''فَاذْکُرُوا اللّٰہَ ''اللہ کا ذکر کرو' اس سے ثابت ہوا کہ نماز الگ چیز ہے اور ذکر اللہ علیحدہ چیز ہے۔ نماز اور ذکر اللہ دونوں ایک نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ نماز ادا کر لینے کے بعد ذکر اللہ کرنا فرض ہے کیونکہ نماز ادا کرنے کے بعد ذکر اللہ کرنا فرض ہے۔ اسی حکم رب العالمین کے تحت مہدوی نماز ادا کرنے کے بعد ذکر اللہ بھی کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کے احکام (فرائض) کی تعمیل اور تکمیل ہوتی ہے۔

آخر میں ہم اس حدیث قدسی کو بیان کر کے ''مہدوی نفل نماز کیوں نہیں پڑھتے'' کے جواب کو ختم کریں گے جس کو طبرانی اور ابونعیم کے حوالے سے تفسیر ''الدرالمنثور'' میں آیت کریمہ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ ٥ کے تحت یہ حدیث قدسی لکھی ہے۔

''عن ابی ہریرہؓ عن النبی صلعم یقول اللہ تعالیٰ یا ابن آدم انک اذا ذکر تنی شکر تنی اذا ما نسیتنی کفر تنی''٥

حضرت ابوہریرہؓ حضرت نبی صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم جب تو مجھے یاد کرتا ہے تو میرا شکر کرتا ہے اور جب مجھے بھول جاتا ہے تو مجھ سے کافر ہوجاتا ہے''

غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں صاف الفاظ میں نماز اور ذکر اللہ کی صراحت کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ اور فرمانِ حدیث قدسی سے ذکر اللہ کی اہمیت اور تاکید ثابت ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں فرض اور سنت نمازیں ادا کرنے کے بعد نفل نمازیں پڑھنا چاہیئے یا ذکر اللہ کرنا چاہیئے؟ ظاہر اور ثابت ہے کہ ذکر اللہ کرنا چاہیئے تاکہ مطلوب اور مقصود حاصل ہو۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَھۡدِیَّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

سوال : نماز کی حقیقت کیا ہے؟

جواب : اس سوال کے جواب سے پہلے بعض چیزوں پرغور کر لینا ضروری ہے۔اول خود انسان پرغور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان جسم اور روح دو چیزوں سے بنایا گیا ہے۔روح کے بغیر جسم بیکار ہے اور مردہ ہے اور جسم کے بغیر روح ظاہر نہیں ہوسکتی۔تو معلوم ہوا کہ جسم اور روح لازم وملزوم ہیں۔جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ''انسان'' ہے۔

اسی طرح نماز کی بھی دو کیفیتیں ہیں۔ایک جسمانی نماز اور دوسری روحانی نماز' جس طرح اعضاء جسمانی نماز میں مصروف رہتے ہیں اسی طرح روح بھی نماز میں مشغول رہنا چاہئے۔جس طرح جسمانی نماز کے لئے نیت کرنی شرط ہے اسی طرح روحانی نماز کے لئے بھی نیت اور تصور لازمی ہے۔

چنانچہ مسئلہ احسان (دیدار) کی حدیث شریف اس کی صاف دلیل ہے۔حدیث شریف یہ ہے کہ

قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ پوچھا اس شخص (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے کہ خبر دیجئے مجھے کہ احسان کیا ہے۔آپ صلعم نے فرمایا کہ ''اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ اُس کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اس کو نہ دیکھ سکے تو (اس یقین سے عبادت کر کہ) وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔''

یہ حدیث شریف حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں بیان کی گئی ہے۔حضرت رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے کہ بندہ جس کی عبادت کر رہا ہے یعنی نماز پڑھ رہا ہے اس کو دیکھ کر یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر نماز ادا کرے۔اسی مقام کو منزل مشاہدہ کہتے ہیں۔

اور اگر بندہ میں اتنی روحانی قوت نہ ہو تو کم از کم اس یقین کامل کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے کہ جس کی نماز ادا کی جارہی ہے وہ (اللہ) اس کو دیکھ رہا ہے اسی کو مقام تصور اور منزل مراقبہ کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ دیکھنے اور تصور جمانے کا کام روح کا ہے جسم کا نہیں ہے۔سبحان اللہ وبحمدہ کہ نماز کی حقیقت اور روحانی شان کیا ہی دلکش اور اعلیٰ ہے۔حضور اکرم حضرت رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ اَلۡوُضُوۡءُ اِنۡفِصَالٌ' وَالصَّلٰوۃُ اِتِّصَالٌ' یعنی وضو تمام ماسوی اللہ سے دوری کا نام ہے۔جب بندہ وضو کرتا ہے تو گویا تمام ماسوی اللہ سے دور ہو کر تمام خواہشات ولذّات سے ہاتھ دھو کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں جاتا ہے۔اور نماز بندہ کو اللہ تعالیٰ سے متصل کر دیتی ہے۔انسان کی زندگی کا اصلی منشاء اور حقیقی مقصود اللہ تعالیٰ کا وصل ہے جس

کو دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کہتے ہیں۔اور یہی حقیقتِ نماز ہے وہ ایسی ہی نماز سے حاصل ہوتا ہے۔

ایسے ہی نمازیوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ دَائِمُوْنَ یعنی وہ اپنی نماز پر ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

پھر فرماتا ہے۔وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ٥ یعنی وہ اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں (المومنون ۹)

اس کا مطلب یہ کہ ایسے نمازی اپنی نمازوں کی شرک اور کفر باطنی سے حفاظت کرتے ہیں اور دیدار رب العالمین میں آنے والے ہر قسم کی رکاوٹوں سے حفاظت کرتے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شرکِ باطنی اور کفر باطنی کیا ہے؟ اس سے حفاظت کیسے کی جاتی ہے۔اس کے جواب اور تفصیلات کو آئندہ بیان کیا جائے گا اب ہم اصل موضوع پر آتے ہیں کہ اگر صرف جسمانی نماز شرائط نماز کے تحت ادا کر لی جائے اور اس میں روحانی نماز کا تصور اور روحانیت کا کیف نہ ہو تو ایسی نماز کا درجہ اور مقام کیا ہوگا۔اقبال کی زبان سے سن لیجئے۔

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سُرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

ایسی نمازوں کا جس میں روحانی تصور اور کیف وسرور نہ ہو بلکہ غفلت سے ادا کی جارہی ہو اور ایسے نمازیوں کے لئے قرآن حکیم کا ارشاد سن لیجئے کہ کیا فرما رہا ہے

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ (الماعون ۵) یعنی "پھر ایسے نمازیوں کے لئے عذاب ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں"

ف غفلت اور بے خبری ہی بربادی اور تباہی کا باعث ہے۔غفلت اور بے خبری کب ہوتی ہے جبکہ روح نہ ہو۔اس لئے ضروری ہے کہ جسمانی اور روحانی دونوں حیثیت سے نماز مکمل ادا کی جائے۔تمام اعضاء جسمانی بھی نماز ادا کریں اور روح بھی نماز میں مشغول ہو تا کہ عبادت کا حق پورا پورا ادا ہو اور حضرت رسول اللہ صلعم کے ارشاد کے موافق الصلوٰۃ معراج المومنین کا درجہ حاصل ہو۔

یہاں سوال یہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ

ایسی مکمل نماز کیسے اور کس طرح ادا کی جاتی ہے اس کی تعلیم اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہی دیا جا سکتا ہے کہ کسی کامل پیر طریقت کے دامن سے وابستہ ہو کر اس کی تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔

اس مقام پر یہی کہا جائے گا کہ وہی مشائخین والی بات کہدی اور مریدوں کو ٹوٹنے کا طریقہ اختیار کیا۔نہیں نہیں یہ خیال سراسر باطل ہے۔کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی حاذق طبیب یا کامل حکیم کی خدمت سے وابستہ ہوئے بغیر اور تعلیم و تجربہ حاصل کئے بغیر حکیم یا ڈاکٹر بن سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں بن سکتا۔قرآن حکیم بھی یہی رہبری فرماتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کا صاف ارشاد ہے کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ (سورہ المائدۃ آیت ۳۵)

یعنی ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور تلاش کرو اس کی طرف وسیلہ۔ اور کوشش و محنت کرو اس کی راہ میں تا کہ فلاح کو پہنچو''

اس آیت کریمہ میں اٰمَنُوا سے قرآن اور احادیث صحیحہ حضرت رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا مراد ہے۔ ایسے ہی ایمان لانے والے مومنین کو اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے فرما رہا ہے اتَّقُوا اللّٰہَ یعنی اللہ سے ڈرو کے حکم میں تمام اوامر اور نواہی شامل ہیں جن کی تعمیل مومنین پر فرض ہے۔

وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ سے بیعت پیر کامل مراد ہے۔ یعنی پیر کامل کی ذات وسیلہ ہے اس لئے تلاش کرو اور ڈھونڈ و اس کی طرف وسیلہ۔ تلاش کرو اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ پیر کامل تلاش کرو۔ پیر ناقص اور پیر رسمی اس راستہ میں کام نہیں دے سکتا۔ اور مقصود حاصل نہیں ہو سکتا وَجَاھِدُوْا سے ریاضت اور مجاہدہ نفس مراد ہے۔ سَبِیْلِہٖ سے معروفتِ الٰہی کا راستہ مراد ہے۔

خلاصہ یہ کہ پیر کامل سے بیعت کر کے مرشد کامل کے ارشاد کے مطابق معرفتِ الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے ریاضت اور مجاہدہ نفس میں مشغول رہو تا کہ دیدار الٰہی سے جو فلاح ابدی سے مشرف ہو۔

پس جو شخص بیعتِ مرشد کامل کا منکر ہوگا وہ سنت اور نصِ قرآنی کا انکار کرنے والا ہوگا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ نَفْسِہٖ

لہذا قرآن حکیم سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت عرفان کے راستہ میں وسیلہ لازمی اور ضروری ہے۔

ہم اس کی تفصیلی بحث وسیلہ کے عنوان کے تحت آئندہ کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں ایسے خیالات کا مزید جواب حضرت جلال الدین مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے دے کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شُد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شُد
مولوی ہرگز نہ شُد مُلائے روم
تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

یعنی حضرت مولانائے رومؒ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز خود بخود چیزیں نہیں بن جاتی تاوقتیکہ اس کا کوئی بنانے والا نہ ہو۔ کوئی لوہے کا ٹکڑا خود بخود تیغ نہیں بن جاتا تاوقتیکہ اس کا بنانے والا نہ ہو۔ وہ لوہا جب تک لوہار کے ہاتھ میں نہ جائے تیغ نہیں بن سکتا۔ اور تیغ کی شان پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مُلائے روم (یعنی خود) مولوی نہیں ہوا جب تک کہ وہ حضرت شمس تبریزؒ کا غلام نہ ہوا۔

دیکھا آپ نے ایک جلیل القدر ولی اللہ کیا فرما رہے ہیں۔ انہیں اسرار کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے صحبتِ صادق کو فرض فرمایا۔ یہاں صادق سے مراد پیر کامل ہی ہے۔

ذکر اللہ کی اہمیت وفضائل

قرآن حکیم اور احادیثِ صحیحہ میں اکثر و بیشتر مقامات پر ذکر اللہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے جس سے ذکر اللہ کے فضائل اس کے

اثرات ونتائج اور تاکید ظاہر ہوتی ہے۔اوراس کی فرضیت کا اظہار ہوتا ہے یہاں ہم مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

(۱) تفسیر **معالم التنزیل** میں آیت کریمہ **وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ** کے سلسلہ میں یہ حدیث شریف بیان کی گئی ہے۔

''جولوگ اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں ملائکہ (فرشتے) گھیر لیتے ہیں اور اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ (سکونِ قلب وروح) نازل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے پاس رہنے والی مخلوق میں ان کا ذکر کرتا ہے''

اس حدیث شریف سے چار باتیں ثابت ہورہی ہیں۔

(۱) ذکر اللہ کرنے اور ذکر میں بیٹھنے والوں کا کتنا بلند درجہ اور مقام ہے معلوم ہورہا ہے۔

(۲) ذکر اللہ کی فضیلت یہ کہ ذکر اللہ میں بیٹھنے والوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

(۳) ذکر اللہ کرنے والوں پر سکینہ یعنی روح وقلب کو سکون حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رحمت ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ ان ذکر اللہ کرنے والوں کا ذکر اپنے پاس رہنے والی مخلوق میں کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس رہنے والی مخلوق کون یعنی اس کے خاص مقرب فرشتے جن کو نور سے پیدا فرمایا ہے۔سبحان اللہ وبحمدہ کہ ذکر اللہ کرنے کی وجہ خاکی بندوں کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نوری مخلوق میں فرماتا ہے۔

(۲) حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

''قیامت کے دن سب بندوں میں درجات کے لحاظ سے زیادہ افضل اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے ہیں''

یہ حدیث شریف ترمذی شریف میں بیان کی گئی ہے۔

(۳) حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

''ذکر اللہ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے۔اور ذکر اللہ سے بغض رکھنا اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔''

ف : نماز کا صلہ دوزخ سے چھٹکارا اور جنت ٹھکانہ ہے۔اور ذکر اللہ کا صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جو ہزار جنتوں سے بہتر ہے۔

(۴) حضرت سرورِ کونین رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

''نماز فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک ایک جماعت کے ساتھ ذکر کرتے رہنا مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ایک جماعت کے ساتھ ذکر کرتے رہنا مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔''

یہ حدیث کنز العمال میں بیان کی گئی۔اس حدیث شریف سے ذکر اللہ کرنے کے اوقات معلوم ہورہے ہیں کہ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک ذکر اللہ لازمی طور پر کرنا چاہیئے۔کیونکہ ان اوقات میں ذکر اللہ کرنے کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب بتایا گیا ہے۔ان ہی اوقات کو سلطان اللیل اور سلطان النہار کہتے ہیں۔

یہ حدیث شریف اللہ تعالیٰ کے فرمان کی گویا تفسیر کررہی ہے۔چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد اور حکم ہے کہ

''**وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا** (سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۰) یعنی اور اپنے رب کی حمد (نماز)

کے ساتھ تسبیح (ذکر) کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اوراس کے غروب سے پہلے"

چنانچہ مہدوی ان اوقات میں بموجب ارشاد حضرت بندگی میاں سید محمود خاتم المرشدین رحمۃ اللہ علیہ لازمی طور پر ذکراللہ کرتے ہیں جو عین اتباعِ حکم قرآنی وعملِ حضرت رسول اللہ صلعم ہے۔ احادیث صحیحہ اور قرآن حکیم سے ذکراللہ کی فضیلت وفرضیت ' درجات اور انعامات عالیہ ثابت ہوگئے۔

ف اب ذکراللہ نہ کرنے والوں کی نسبت قرآن حکیم کے ارشادات اور اللہ تعالیٰ کی وعید (ناراضگی بھی دیکھ لیجئے) چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ زمر آیت ۲۲)

یعنی "پھر عذاب ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل ذکراللہ سے غفلت کی وجہ سخت ہوگئے ہیں یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ذکراللہ کرنے سے دل کی سختی' دل کی کجی (ٹیڑھا پن) دل کی گمراہی جاتی رہتی ہے۔ نفس کی پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اور قلب کا تصفیہ ہوتا ہے جو اصل عبادت کی روح ہے۔

اور ذکراللہ سے غفلت کرنے کا نتیجہ دل سخت اور بدبخت ہوجاتے ہیں اور انسان کھلی گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی o (سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۴)

یعنی "جو شخص میرے ذکر سے روگردانی (منہ پلٹانا) کرتا ہے تو اس کی زندگی تنگی میں گذرے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے"

اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی یعنی منہ موڑنے والوں سے اللہ تعالیٰ کس قدر ناراض ہیں۔ اور ذکراللہ نہ کرنے کی سزاء کا بھی اعلان ہورہا ہے کہ ان کو قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔

ف آنکھوں سے محروم یعنی اندھا کردیا جانا خود ایک سزا ہے اس اندھا کردئے جانے کی سزا میں اور ایک سزا پوشیدہ ہے جو نہایت بدترین ہے۔ وہ یہ کہ ذکراللہ نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن جب اندھا اٹھایا جائے گا تو اندھے یقیناً اپنے پرودگار کو نہ دیکھ سکیں گے گویا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم کردیئے جائیں گے۔

اس کے علاوہ اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ بھی نکل رہا ہے کہ ذکراللہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بینا اٹھائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے یعنی ذکراللہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ گویا ذکراللہ کرنے کا زبردست صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو کسی اور عبادت سے سوائے ذکراللہ کے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) نماز صرف ظاہری حیثیت ہی سے ادا نہ کی جائے۔ بلکہ ظاہری اور باطنی یعنی جسمانی اور روحانی دونوں حیثیت سے ادا ہونا چاہیئے۔ تاکہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کا درجہ حاصل ہو۔

(۲) غفلت کی نماز قبول نہ ہوگی اور غفلت سے نماز ادا کرنے والے نمازیوں کے لئے عذاب ہے۔

(۳) نماز علیحدہ چیز ہے اور ذکر اللہ علیحدہ چیز ہے دونوں ایک نہیں ہیں۔

(۴) ذکر اللہ کی اہمیت، فضیلت اور فرضیت قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ حضرت رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے۔

(۵) بندہ فرشِ زمین پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عرش پر اس بندے کا ذکر فرماتا ہے۔

(۶) ذکر اللہ کرنے والے ذاکرین کو جب وہ ذکر اللہ میں بیٹھتے ہیں تو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

(۷) ذکر اللہ کرنے والوں کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس رہنے والی نوری مخلوق میں فرماتا ہے۔

(۸) ذکر اللہ کرنے والے بندوں کے درجات قیامت کے دن سب سے زیادہ افضل ہوں گے۔

(۹) اللہ تعالیٰ کی اطاعت الگ چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت علیحدہ چیز ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی اطاعت احکامِ فرائض اور اوامر ونواہی کی تعمیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(۱۱) ذکر اللہ کرنے والے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔

(۱۲) نماز اور دیگر احکام کی اطاعت کا بدلہ جنت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔

(۱۳) ذکر اللہ کا بدلہ اور انعام اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جس کا تعلق خاص اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

(۱۴) پانچ وقت کی نمازوں کے ختم پر ذکر اللہ کرنا فرض ہے۔

(۱۵) ذکر اللہ کرنے سے نفس کو پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے اور شرکِ خفی سے چھٹکارا ملتا ہے۔ قلب کا تصفیہ ہوتا ہے اور روح کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔

(۱۶) نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ذکر اللہ کرنا کائنات عالم سے زیادہ محبوب بتایا گیا ہے اور قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے۔

(۱۷) ذکر اللہ کرنے سے بینائی رب اور نورِ بصیرت حاصل ہوتا ہے اور اس کا بدلہ اور انعام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

ذکر نہ کرنے والوں کے لئے وعید

(۱) ذکر اللہ نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بغض (دشمنی) رکھنا اور منہ موڑ لینا گویا اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرنے کے برابر ہے۔

(۲) ذکر اللہ سے غفلت کا نتیجہ دل کی سختی اور کجی (ٹیڑھاپن ہے)

(۳) ذکر اللہ نہ کرنے سے انسان کھلی گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔

(۴) ذکر اللہ نہ کرنے والوں کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

(۵) ذکراللہ سے غفلت کرنا ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا۔

(۶) ذکراللہ سے روگردانی کا نتیجہ سخت ترین عذاب ہے۔

(۷) ذکراللہ سے منہ موڑنے کا نتیجہ رزق کی تنگی، مفلسی اور ناداری ہے۔

(۸) ذکراللہ سے روگردانی کا نتیجہ یہ کہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔

(۹) ذکراللہ سے روگردانی اور غفلت کا نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔

ف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ حضرت رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے کہ

ذکراللہ ہر حالت و ہر وقت میں فرض ہے۔ کیوں کہ ان سب آیات قرآنی میں ذکراللہ کرنے کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے۔ اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ تاکید اور وعید (سزا) کا یہ اہتمام اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ذکراللہ اہم ترین فرض ہے۔

ذکراللہ نہ کرنے والوں کی نسبت عتاب اور عذاب کی وعیدات سے بھی ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ ذکراللہ کی فرضیت کس قدر اہم ہے۔ ان ہر دو احکام سے ذکراللہ کی فرضیت تسلیم کرنا اصولِ شرعیہ میں داخل ہے اور ہر مومن و متقی کے لئے اس پر اعتقاد و عمل لازم ہے۔

ف ان ہی احکام قرآنی اور ارشادات سرورِ کونین حضرت رسول اللہ صلعم کے تحت حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکراللہ کو فرض فرمایا۔

اسی حکم کی اتباع میں مہدوی پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے ادا کرنے کے بعد ذکراللہ کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ذکراللہ کرتے ہیں۔

اور جو لوگ تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں وہ تہجد کی نماز کے بعد سے فجر کی نماز تک ساتھ ہی فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک ذکراللہ میں مشغول رہتے ہیں۔ ان تمام اوقات کے علاوہ ذکر دوام کا بھی شغل رکھتے ہیں۔

قربان جائیے حضرت امام الکائنات سیدنا مہدی موعود امام آخرالزماں پر کہ نمازوں کی تعلیم اور ذکراللہ کی تلقین سے ایسا فیض یاب فرمایا کہ جس کے ذریعہ عرفان و معرفتِ الٰہی کا راستہ آسان سے آسان تر ہوگیا۔ اور عبادات و اذکارِ الٰہی میں ریا اور غیراللہ کا شمہ برابر خیال بھی داخلہ نہیں پاسکتا۔

حقیقت ذکراللہ

قرآن مجید میں ذکراللہ سے متعلق جس قدر آیاتِ شریفہ ہیں ان سے بعض علماء اور مفسرین نے ذکر اعمال الٰہی مراد لیا ہے یعنی موجوداتِ عالم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جو مظاہر اور نشانیاں ہیں ان میں غور و فکر کرنا اور ان کی خصوصیتیں بیان کرنا۔ ذکراللہ کی آیاتِ کریمہ سے صرف یہی معنی و مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ قرآن مجید میں ذکر اسم الٰہی کی صاف و صریح آیات موجود ہیں۔ چنانچہ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (سورہ مزمل آیت ۸) یعنی ''تم اپنے رب کے نام کا ذکر کرو''

اسم الٰہی کے ذکر کا صاف حکم ہو رہا ہے۔اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْ فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (پارہ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۱۱۰)

یعنی ''کہد و (اے محمد صلعم) کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے چاہو پکارو اس کے تمام نام اچھے ہیں''

اور پھر تخصیص اور وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُو الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ (سورہ اعراف آیت ۱۸۰)

یعنی اللہ کے نام اچھے ہیں ان ناموں سے اس کو یاد کرو۔اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد (کفر) کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو''

ف قرآن حکیم کی ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہے کہ نہ صرف ذکر اعمال الٰہی بلکہ اسم ذات اور اسم صفات کے ذکر کرنے اور ناموں سے اس کو یاد کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی پیدائش میں جو غور و فکر کرنے رہبری فرمائی ہے اس کا مقصد و مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت اور نشانیوں کا عرفان اور معرفت حاصل ہو۔

حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت اور تشریف آوری کا مقصد عشق و محبت الٰہی کی تعلیم ہے آپ صلعم کی تمام تعلیمات اور احکام کا مقصد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو عین منشاء تخلیق انسانی و احکام قرآنی کی تکمیل ہے۔

ف اللہ تعالیٰ کی یاد کو ذکر اللہ کہتے ہیں ذکر اللہ کے کئی اشکال ہیں جس میں اسماء صفاتِ الٰہی بھی داخل ہیں۔

اسماء صفاتِ الٰہی کا ذکر بھی ذکر اللہ ہی کہلاتا ہے مگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر اسم ایک خاص صفت کا مظہر اور اس خاص صفت کی حد تک محدود ہے۔اس کے علاوہ صفاتِ الٰہی ذات کے تابع ہیں۔مگر ذاتِ الٰہی صفات کے تابع نہیں ہیں۔ذات ہی سے صفات کا وجود ہے یہ بھی ہے کہ ذات کا ظہور نہ ہوا تھا تو ذاتِ الٰہی از خود موجود تھی۔جب ذاتِ الٰہی نے ظہور کا ارادہ فرمایا تو صفات کا ظہور ہوا۔اس لحاظ سے اسماء صفات کے اذکار سے اسم ذات کا ذکر اپنی کاملیت کے اعتبار سے بدرجہ اولیٰ اور افضل ہوگا۔

ف اس حقیقت پر بھی غور کر لیجئے کہ تمام صحائف آسمانی اور کتبِ سماوی توریت، زبور، انجیل اور قرآن کا خلاصہ کیا ہے؟

تمام کتب و صحائف آسمانی کا خلاصہ صرف لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ ہے۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے جتنے بھی انبیاء و مرسلین علیہم السلام آئے اسی کلمہ وحدت لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کو لے کر آئے اور تمام مخلوق انسانی کو اسی کلمۂ توحید کی دعوت دی حتیٰ کہ آقائے دو جہاں فخر موجودات حضور سرور کونین حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے بھی اسی کلمۂ توحید لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کی دعوت فرمائی جو تمام صحائف آسمانی اور کتب سماوی کا مقصود ہے۔

اسی لئے حضرت امام الکائنات امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے ذکر اللہ کے لئے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی کو مخصوص فرمایا اسی کو ذکر خفی کہتے ہیں۔اسی کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں حقیقت ذکر اللہ پوشیدہ ہے۔منزلِ ذکر خفی ہی میں حقیقت ذکر اللہ کا ظہور ہوتا ہے اور توحید حقیقی نصیب ہوتی ہے۔

ف ذکر خفی سید الاذکار ہے۔ ذکر خفی سے ذاتِ الٰہی کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اوراد اور وظائف میں غیر اللہ کا تعلق ہوسکتا ہے۔

مثال کے طور پر ''یَا قَوِیُّ'' کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے جس کا مقصد رزق میں کشادگی اور مفلسی کا دور کرنا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو اپنی محبت میں گرفتار کرنا ہو یا اپنا گرویدہ بنانا ہو تو اسم ''یَـــا وَدُوْدُ'' کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور بھی اسی قسم کے اوراد اور وظائف ہیں جن کے پڑھنے کے مختلف طریقے اور مختلف مقاصد ہیں۔ اگرچہ کہ یہ اللہ ہی کے نام ہیں مگر ان سے مقصود خدا نہیں ہے۔ اسی لئے ایسے تمام اوراد اور وظائف کو حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے منع فرمادیا۔ صرف ذکر لاَ اِلٰـہَ اِلاَّ الـلّٰہُ کی پابندی فرض فرمادی۔ جس میں غیر اللہ کا شائبہ اور تصور تک نہیں آسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر صاف طور پر فرمادیا ہے کہ ذکر الٰہی اور عبادات خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہونا ضروری ہے کیونکہ جس مقصد کے لئے عمل کیا جائے گا وہی مقصد اس کا مقصود اور معبود قرار پائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَھۡدِیَّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

سوال: ذکرخفی کس کو کہتے ہیں؟

جــواب: ذکراللہ کے یوں تو کئی اقسام اور کئی طریقے ہیں جن میں سے صوفیائے کرام نے پانچ طریقوں کا بطور خاص ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) ذکرلسانی یا ذکر جہری جس کو لقلقہ بھی کہتے ہیں۔

(۲) ذکرِقلبی

(۳) ذکرِ روحی جس کو مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔

(۴) ذکرِ سرّی جس کو معائنہ بھی کہتے ہیں۔

(۵) ذکرِخفی جس کو مغائبہ بھی کہتے ہیں۔

ف ذکرلسانی یا ذکر جہری کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے بلند آواز کے ساتھ **لاَ اِلٰہَ** کہتے ہوئے گردن کا جھٹکہ دے کر قلب پر **اِلَّا اللّٰہ** کی ضرب لگاتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کہ یہ ذکر مبتدیوں کو بتایا جاتا ہے مگر اس طریقۂ ذکر سے ذاکر یعنی ذکر کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس کا اثر صرف زبان تک محدود رہتا ہے دیگر اعضاء جسمانی وروحانی اس ذکر سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔

اس توجیہہ کے علاوہ قرآن حکیم نے بھی اس طریقہ ذکر کو منع فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ

وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیۡفَۃً وَّدُوۡنَ الۡجَھۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلاَ تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ (سورۂ اعراف آیت ۲۰۵) یعنی اپنے رب کو یاد کرو، اپنے نفس میں عاجزی اور خوف کے ساتھ۔ اور آواز سے مت یاد کرو۔ صبح وشام، غافلوں میں سے مت ہو۔

اس آیت میں کریمہ میں چھ باتوں کا حکم ہورہا ہے۔

(۱) **وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ** ٥ اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

ذکرکرنے کا حکم بصیغہ امر ہے۔ اس لحاظ سے ثابت ہے کہ ذکراللہ فرض ہے۔

(۲) **فِیۡ نَفۡسِکَ** ٥ اپنے نفس میں یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں یاد کرو۔

(۳) **تَضَرُّعًا وَّخِیۡفَۃً** ٥ عاجزی اور خوف کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ کرو۔ لاپروائی اور بے ادبی غلط طریقہ، غلط

نشست اور غلط تصورات سے نہ کرو۔

(۴) وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ٥ آواز سے پکار کر مت کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر پکار پکار اور چیخ کر چلا کر مت کرو بلکہ دل ہی دل میں کرو۔

(۵) بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ٥ صبح وشام یعنی اللہ کا ذکر صبح وشام ہر وقت کرتے رہو۔

(۶) وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ٥ اور مت ہو جاؤ غافلوں میں سے۔ یعنی کسی حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل مت رہو۔

اس آیت کریمہ سے چار باتیں ثابت ہو رہی ہیں۔

(۱) فرضیت: ذکر اللہ اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے۔ لہٰذا نمازوں کے ساتھ ذکر اللہ کرنا ضروری اور فرض ہے۔

(۲) طریقۂ ذکر:

(۱) اپنے نفس یعنی دل ہی دل میں ذکر اللہ کرنا چاہیئے۔

(۲) عاجزی اور خوف سے ذکر اللہ کرنا چاہیئے۔

(۳) تاکید ہے کہ پکار کر آواز کے ساتھ ذکر اللہ کرنا لازمی نہیں ہے۔

(۴) اوقاتِ ذکر: صبح وشام ذکر اللہ کرنا لازمی ہے۔

(۵) ہدایت وتاکید: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل مت رہو۔

الحاصل حکم ربانی و آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ ذکر لسانی یا ذکر جہری نہیں کرنا چاہیئے۔

ف ذکر قلبی، ذکر روحی اور ذکر سرّی جن کی تفصیلات طوالت کے باعث ہوں گی اور اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش اور موقع بھی نہیں ہے۔ اس لئے صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ تینوں طریقے اپنی جگہ درست اور حق ہیں۔ اور طالبوں کو مصروف رکھنے کے لئے مفید بھی ہیں۔ مگر ان تینوں طریقوں میں توحیدِ خالص نصیب نہیں ہوتی جو منشاء ومقصود ذکر اللہ ہے۔

خیال رہے کہ میں نے توحید خالص کہا ہے جس کو توحید کلّی بھی کہتے ہیں۔

توحید جزوی کا حاصل ہونا الگ چیز ہے توحید کلّی کا حاصل ہونا علیحدہ امر ہے۔

چنانچہ ان اذکار میں ابتداً تو تثلیث کی کیفیت پیدا رہتی ہے۔ ایک ذاکر کی ذات دوسرے شیخ کی ذات اور اس کا تصور تیسرے مذکور یعنی ذات الٰہی۔

ذکر اللہ میں ان تین تصورات سے یقیناً ذکر اللہ کا مقصود جو توحید کلّی ہے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اکثر اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ ذاکر (طالب) مغالطہ میں پڑ کر مقصود کو پہنچنے کی بجائے اپنے راستہ ہی سے بھٹک گیا ہے اور اگر تثلیث کی کیفیت سے ذاکر (طالب) کی منزل بڑھ بھی گئی تو دوئی یعنی شرک سے تو چھٹکارا نہیں وہ اس لئے کہ ذاکر (طالب) نے اپنی ذات کو بذریعہ مشاہدہ ذات شیخ میں گم اور فنا بھی کر دیا تو ذاتِ شیخ اور ذاتِ الٰہی دو تو پھر بھی باقی رہے۔

یہاں یہ کہہ دیا جاسکتا ہے کہ ذاتِ شیخ چونکہ ذات الٰہی میں فنا ہے یا ذاتِ شیخ میں ذاتِ الٰہی کے جلوے کا مشاہدہ ہے۔ بظاہر یہ

نظریہ توحید کا حامل نظر آتا ہے مگر بہ نظر غائر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وجوداً تو دو موجود ہی رہیں گے جو توحیدِ کلّی کا مغائر ہے۔

قطع نظر اس کے ایک اور نہایت خاص بات کہ اگر بہ حالتِ ذکر بہ کیفیت مشاہدہ ایک نظر بھی آ جائیں تو توحید کا یہ کلیہ بہ حالت نماز ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر ساجد و مسجود دو ہو جاتے ہیں۔ توحید کا کلیہ تو ایسا بتائیے کہ دوئی کی کیفیت اور دوئی کا تصور فنا ہو جائے اور توحید کلی حاصل ہو جائے جس سے صلوٰۃ التوحید حاصل ہو جس کا تذکرہ معراج میں آیا ہے اور قرآن حکیم میں بھی صلوٰۃ الوسطیٰ کے نام سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ذکر اللہ کا مقصود وہی توحید کلّی ہے جو بحالتِ ذکر اور بحالتِ نماز ہر حال میں شامل حال ہو جائے۔

ذکر خفی اسی توحید کلی کا حامل ہے و شرک خفی سے مبرّا و پاک ہے۔ اور ذاکر کو بھی شرکِ خفی سے مبرّا و پاک کر دیتا ہے۔

دیدار رب العزت

فرمانِ رب العزت ہے کہ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (سورہ کہف آیت ۱۱۰)

یعنی پس جس کو اپنے پروردگار کے دیدار کی آرزو ہو تو ''عمل صالح'' کرے اور اپنے پروردگار ''احد'' کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کی دو شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ ''عمل صالح کرے یعنی ذکر اللہ کرے کیونکہ ذکر اللہ کا صلہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

یہاں عمل صالح سے مراد نمازیں نہیں ہو سکتیں کیونکہ اگر نمازیں مراد ہوتیں تو اَقِمِ الصَّلٰوۃ فرمایا جاتا۔ عمل صالح دیدار کے تعلق سے فرمایا جا رہا ہے۔ گزشتہ صفات میں ذکر اللہ کے بیان کے سلسلہ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف ذکر اللہ ہی سے حاصل ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ دیدار رب العزت کے لئے جو عمل صالح کیا جائے گا وہی ہوگا جس کا صلہ دیدار رب ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ عمل صالح سے مراد ذکر اللہ ہی ہے۔ باقی دیگر اعمال لوازمہ ذکر اللہ ہیں۔

دوسری شرط ہے کہ اپنے رب کی عبادت (ذکر اللہ) میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یعنی شرک سے پاک ہو۔ یہ شرط نہایت اہم اور انتہائی نازک ہے۔

یہاں عبادت سے مراد وہی ہے جو عمل صالح سے مراد ہے کیوں کہ یہ عبادت کا تعلق بھی دیدار ہی سے ہے اور شرط کے طور پر بیان فرمائی گئی ہے اور مشروط اس کا دیدار رب ہے اور دیدار رب بجز ذکر اللہ محال اور ناممکن ہے۔ الحاصل عبادت سے بھی ذکر اللہ ہی مراد ہے۔

نتیجۂ گفتگو یہ کہ دیدار رب العزت ایسے ذکر اور تعلیم سے حاصل ہوتا ہے جو شرک خفی سے پاک اور مبرّا ہو۔

غیر اللہ کا خیال اور تصور شرک خفی کہلاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ ہر غیر اللہ کے خیال اور تصور سے پاک ہونا چاہئے۔ اسی منزل

کی تفہیم کے لئے حضور سرورِ کونین معلم کائنات رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

مَنْ قَالَ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مُخْلَصًا حَقًّا فَدَخَلَ الْجَنَّةَ یعنی جس نے بطریق خالصاً، مخلصاً، حقاً لا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہا پس وہ جنت میں داخل ہوا، جنت سے دیدار مراد ہے۔ حور وغلماں کی جنت مراد نہیں ہے۔

اس حدیث شریف میں کلمہ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے تین مراتب بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) خالصاً (۲) مخلصاً (۳) حقاً

کلمۂ توحید کے بھی تین ہی مراتب ہیں۔

(۱) مقام لاتعین میں لاَ اِلٰهَ کی ذات

(۲) مقام تعین اول میں اِلَّا اللّٰه بالاجمال

(۳) مقام تعین ثانی میں **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** بالتفصیل۔

کلمہ توحید کے یہ تینوں مراتب جب ذاکر وسالک کے شامل حال ہوجاتے ہیں تو ذاکر وسالک سراپا کلمۂ توحید بن جاتا ہے اور جب سراپا کلمۂ توحید بنا تو جنتِ دیدار میں داخل ہوگیا۔ اسی لئے معلم کائنات رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ **سَيِّدُ الْاَعْمَالُ ذِكْرُ اللّٰه** ○ یعنی تمام اعمال وعبادت کا سردار اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

اور فیصلہ فرمادیا کہ تمام اذکار الٰہی یعنی ذکر لسانی، ذکر قلبی، ذکر روحی، ذکر سرّی سے ذکر خفی افضل ہے۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے کہ

افضل الذکر ذکرِ خفی

ان تمام حقائق کے پیش نظر حضرت امام الکائنات امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے ذکر خفی کو فرض فرمایا اور ذکر خفی ہی کی تعلیم وتلقین فرمائی۔ جو شرک خفی سے تک پاک اور مقصودِ رب العزت اور منشاءِ تخلیق انسانی کی تکمیل کا ذریعہ اور واسطہ ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ

''ذکرِ خفی ایمان ہے ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات ہے''

فرمانِ امام ہُمام حضرت مہدی موعود علیہ السلام حق ہے۔ جس کی تائید آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ حضرت رسول اللہ صلعم بھی کرتے ہیں۔

ذکر خفی سے دیدار رب العزت یقینی حاصل ہوتا ہے۔ **اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا** ۔ ذکر خفی کی تعلیم کا فوری اثر یہ ہے کہ جس طرح ایک مشرک کلمۂ طیب پڑھنے سے مسلمان ہوجاتا ہے اسی طرح ذکرِ خفی کی تعلیم پاتے ہی مسلمان، مومن بن جاتا ہے۔ طرفہ یہ کہ اس کی تعلیم اعلیٰ مقام کی ہونے کے باوجود نہایت آسان بھی ہے جس کو اقرب الطریق کہتے ہیں یعنی ''قرب کا راستہ''، جس کسی کو ذکر خفی کی تعلیم صحیح تصورات وتفہیم کے ساتھ نصیب ہوئی دیدار رب العزت کے ساتھ ہی واصلِ حق ہوجاتا ہے۔

چنانچہ مثالاً دانا پور میں حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؓ کی بیعت اور ذکرِ خفی کی تعلیم نتیجتاً دیدار رب العزت میں مست ومستغرق

اور واصلِ حق ہونے کا واقعہ اور احمد آباد میں میاں حاجی مالیؒ کا واقعہ اس کی روشن دلیل ہے۔

ذکرِ خفی کی تعلیم

ذکرِ خفی کی تعلیم کیا ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ معلوم کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسان کی حقیقت کیا اور ''دَم'' کی حقیقت کیا ہے؟

اللہ جل شانہ بہ زبانِ رسالت پناہ معلم کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ''دم'' کی نسبت اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

یا ابن آدم انفاسک کانبیائی فان تنفست بذکری فهو موصلک انی ٥ و ان تنفست بغیر ذکری فقد قتلت انبیای٥

یعنی اے ابن آدم تیرے دم گویا کہ میرے انبیاء کی مانند ہیں اگر تو میرے ذکر کے ساتھ دم لیتا تو وہ (دم) تجھ کو مجھ سے واصل کرے گا اور میرے ذکر کے بغیر یوں ہی دم لیا تو' تو نے میرے انبیاء کو قتل کیا۔

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ انسان کے دم کی حقیقت کیا ہے اور ثابت ہوا کہ انسان ایک ایک دم بمنزلہ ایک ایک نبی و پیغمبر کے ہے۔

ذکرِ خفی دم کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ گویا ذکرِ خفی کا ہر دم ایک نبی و پیغمبر کی منزل رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ دم کی کیفیت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسی دم کی بدولت حیات ہے۔ دم نہ ہو تو موت ہے۔ یہ دم (سانس) جب جسم کے اندر جاتا ہے تو جسمِ انسانی کو حیات عطا کرتا ہے اور یہ دم جب جسم سے باہر آتا ہے تو جسم انسانی کو فرحت بخشتا ہے۔

ذکرِ خفی دم کے ساتھ وابستہ ہو کر تمام اعضاء جسمانی دل دماغ حتیٰ کہ رگ رگ' نس نس میں سما جاتا ہے اور سر تا پا جسمِ خاکی کو جسمِ نوری بنا دیتا ہے۔ سبحان اللہ بحمدہ پھر تو بندہ کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اسی سے سنتا' اسی سے بولتا اور اسی سے دیکھتا ہے۔ سبحان اللہ ماشاء اللہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ذکر اللہ میں بیٹھتے ہیں یا نماز میں مشغول ہوتے ہیں تو خیال میں ایک انتشار پیدا ہوتا ہے اور پراگندگی کی کیفیت چھا جاتی ہے۔ یکسوئی نصیب نہیں ہوتی اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب بہت تفصیل طلب ہے۔ اولاً یہ سمجھنا پڑے گا کہ عالمِ ارواح کیا ہے اور عالم مثال کی حقیقت کیا ہے؟ عالم خیال کیا ہے اور صورِ علمیہ و عالم حس و شہادت کی حقیقت کیا ہے؟ اور صفاتِ ایجابی و سلبی کس کو کہتے ہیں؟ اس مختصر کتاب میں ان طویل مباحث کی گنجائش نہیں۔ اس لئے ان تمام منازل و اعتبارات کے طویل مباحث میں گئے بغیر یہاں مختصر طور پر انتشار خیال کی صرف دو وجہیں جو بنیادی ہیں بیان کر دینا کافی ہوگا۔

انتشار خیال کی ظاہری اور بنیادی حیثیت سے دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر اللہ کی صحیح تعلیم نہ ملنے کی وجہ اور تصورات

واعتبارات کی صحیح تعلیم وتفہیم نہ ہونے کے باعث مرکز توجہ نصیب نہیں ہوتا۔جس کی وجہ خیالات میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے۔اگر صحیح تعلیم اور صحیح تصور مل جائے تو یہ بات ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی۔

دوسری وجہ یہ کہ اگر ذکر اللہ کی صحیح تعلیم اور صحیح تصور کی تفہیم حاصل ہے پھر بھی انتشار خیال پیدا ہوتو بہت اچھا ہے۔ایسا ہونا ہی چاہئے اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر مکان میں جھاڑو دی جائے اور صفائی کی جائے تو گرد اور کچرے کا اُڑنا اور فضا میں پھیل کر فضاء کا آلودہ ہونا ضروری ہے۔اسی طرح جب ذاکر ذکر اللہ میں صحیح تعلیم وصحیح تصور کے ساتھ الا اللہ کی جاروب سے قلب کے مکان کو صاف کرنے لگتا ہے تو یقینی انتشار خیال پیدا ہوکر دماغ کی فضاء کو مکدر کرنے لگتا ہے۔ایسی حالت میں ذاکر کو چاہئے کہ صبر واستقامت سے کام لے اور قوتِ ارادی کو کام میں لائے اور مرکز توجہ پر خیال کو جمائے۔ چندروز کی محنت میں یہ کیفیت یقینی طور پر جاتی رہے گی اور مقصود حاصل ہوکر ہی رہے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔مگر یاد رہے کہ ذکر اللہ کی صحیح تعلیم اور اعتبارات کا صحیح تصور حاصل ہے تو ورنہ عمر بھر کچھ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں یہ چیز بھی واضح کردیتا ہوں کہ ذکر اللہ کا استغفار اور ذکر اللہ کا درود شریف جو خاطر جمعی وحفاظتِ حواس کے لئے خصوصی ہے اس کا ورد کیا جائے تو ہر قسم کا انتشار خیال سے یقیناً حفاظت حاصل ہوجاتی ہے۔

اب ہم اصل موضوع پر آتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ذکرِ خفی کیا ہے۔

ذکر خفی وہی کلمۂ توحید لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ہے مگر تعلیم میں اس کے دو حصے کئے جاتے ہیں ایک حصہ لاَ اِلٰہَ اور دوسرحصہ اِلاَّ اللّٰہ کیوں کہ دم کے بھی دو حصے ہیں۔ایک جسم کے اندر جانے والا اور دوسرا جسم سے باہر آنے والا۔

کلمۂ توحید کے ان دو حصوں کے ساتھ دو کلمے تعلیمی ہیں اس طرح ذکرِ خفی کے دو کلمات ترتیب پاتے ہیں۔

اِلاَّ اللّٰہ توں ہے = لَا اِلٰہَ ہوں نیں

جب دم جسم کے اندر جاتا ہے تو اُس دم کے ساتھ اِلاَّ اللّٰہ توں ہے اور جب دم باہر آتا ہے تو اس دم کے ساتھ لاَ اِلٰہ ہوں نیں

ان تعلیمی کلمات میں تصورات کی تعلیم دی جاتی ہے اس کے تین مراتب واعتبارات ہیں۔یعنی ''توں ہے'' ایک مرتبۂ اعتبار ہے اور ''ہوں'' دوسرا مرتبۂ اعتبار ہے۔اور ''نیں'' تیسرا مرتبۂ اعتبار ہے۔

ان ہی اعتبارات میں تصورات کی منازل ہیں جن کو مراقبہ ومشاہدہ کی منزل کہتے ہیں۔ طالب کو تعلیم دی جاتی ہے ان اعتبارات وتصورات کی تعلیمات کسی پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت کرکے دامن سے وابستہ ہوکر حاصل کرنی چاہئے۔یادرہے کہ یہ مقام ومنازل نہایت نازک ترین ہیں۔ان کی تعلیمات کے لئے پیر کامل ہو، ناقص نہ ہو، اور تعلیمات حقیقی ہوں، رسمی نہ ہوں، ورنہ غلط تعلیمات اور غلط تصورات سے حق پرستی کی منزل گم ہوجائے گی اور ذاکر (طالب) بت پرستی کی منزل میں پڑ جائے گا۔اللہ تعالیٰ بچائے۔''آمین''

حصہ سوم

احکامِ اقتداء

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہِ الْاَبْرَارِ اَجْمَعِیْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَالۡمَھۡدِیَّ الۡمَوۡعُوۡدَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡم

اختلافِ ائمہ دین اور اس کا اثر

علماء اصول اور آئمہ حدیث کا متفقہ مسئلہ ہے کہ تمام مذہبی اعمال اور عبادات کی بنیاد اعتقادِ صحیح ہے۔ اگر اعتقاد صحیح ہے تو اعمال وعبادات بھی صحیح اور درست ہیں۔ اور اگر اعتقاد میں خرابی یا تزلزل آجائے تو تمام اعمال وعبادات میں خرابی آنا لازمی ہے۔ اور کوئی عبادت ہو کہ عمل صحیح اور درست نہ ہوگا۔

ف یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ تمام مسلمانوں کے اعتقاد میں جو بات خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول مکرم صلعم کے حکم سے ثابت ہو اس پر ایمان رکھنا اور سچ جاننا ضروری ہے۔ ان ہی اصول پر تمام اعتقاد اور عمل کی بنیاد ہے۔

تمام عقائد واعمال میں بعض ایسے ہیں جو قرآن حکیم میں صاف طور پر بیان نہیں کئے گئے ہیں جن کی تفصیل قرآن حکیم میں نہیں ہے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ سے متعلق قرآن حکیم میں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاٰتُو الزَّکٰوۃَ یعنی ’’نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو‘‘ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل احادیث ہی سے ثابت ہوتی ہے کہ کس طرح نماز قائم کی جائے، ارکانِ نماز کس ترتیب سے ادا کئے جائیں۔ اور کس چیز کی زکوٰۃ کس مقدار میں ادا کی جائے اور کون شخص ادا کرے اور کیا ادا کرے؟

اسی طرح نماز میں جماعت اور امامت واقتداء کے مسائل اور اس کے متعلقات کہ کون امام ہوسکتا ہے اور کون نہیں ہوسکتا یا کس کی اقتداء جائز ہے اور کس کی جائز اور درست نہیں ہے۔ یہ تمام مسائل بھی احکامِ دینی اور قانونِ الٰہی پر ہی موقوف ہیں۔ کسی کی رائے یا مصلحت سے ان مسائل میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور کسی ایک یا کئی اشخاص کی ذاتی رائے پر جس کی تائید احکام دینی سے نہ ہوتی ہو عمل کرنا مذہباً درست نہیں۔

فرض کرو کہ آج کسی کی یہ رائے قائم ہوجائے کہ امامت کے لئے طہارت کی ضرورت نہیں اور بلا عذر شرعی ایسے شخص کی اقتداء درست ہے جو وضو یا تیمّم کیا ہوا نہ ہو تو یقیناً ہر مسلمان یہی فیصلہ کرے گا کہ ایسے شخص کی نماز ہی نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص جس پر غسل واجب ہو یا اس کا جسم لباس یا نماز کی جگہ پاک نہ ہو خلافِ احکام دینی نماز پڑھائے اور کوئی شخص جان بوجھ کر ایسے شخص کی اقتداء سے نماز ادا کرے تو یقیناً نماز درست نہ ہوگی۔

یہ ان مسائل کی مثالیں ہیں جو چاروں آئمہ دین کے پاس نماز کے لئے درست اور جائز نہ ہونے کی ہیں۔ اور ہر مسلمان لازمی

طور پر ان کو اقتداء کے لئے جائز نہ ہونے کے لئے کافی سمجھتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی طہارت اور نماز کے ارکان وشرائط میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو بعض اماموں کے نزدیک ایسی ضروری ہیں کہ ان کی تکمیل نہ ہونے سے طہارت یا نماز ہی صحیح نہیں ہوتی۔ اور دوسرے اماموں کے پاس وہی باتیں ایسی ضروری نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے نہ ہونے سے صرف ترکِ افضل یا کراہت تنزیہی لازم آتی ہے۔ اور نفسِ طہارت یا نماز پوری ہو جاتی ہے۔

پس ایسے اختلافی مسائل میں ہر مسلمان جس امام کا پیرو ہوتا ہے وہ اپنے امام کے مسئلہ کے موافق عمل کرتا ہے۔ اور اسی پر تمام اہلِ مذاہب کا عمل جاری ہے۔

چاروں آئمہ کے اختلافی مسائل کثرت سے ہیں۔ چند بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) مثال کے طور پر وضو کے مسئلہ کو لے لیجئے کہ قرآن حکیم میں ''سر کا مسح کرو'' کا حکم ہے۔

اس حکم قرآنی پر حضرت ابوحنیفہ امام اعظمؒ پاؤ سر کا مسح کرنا فرض کہتے ہیں اور پورے سر کا مسح مستحب بتاتے ہیں۔

اور حضرت امام مالکؒ کے پاس پورے سر کا مسح فرض ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے پاس سر کے صرف تھوڑے حصہ کا مسح کر لینے سے مسح کرنے کا فرض پورا ہو جاتا ہے نہ پاؤ سر کی شرط ہے نہ پورے سر کی شرط ہے۔

اب غور کیجئے سر کا مسح وضو کے فرائض میں سے ہے۔ جس کے لئے حکم قرآنی ہے۔ اگر یہ فرض وضو سے چھوٹ جائے یا اس میں خرابی آ جائے تو وضو ہی نہیں ہوتا۔ جب وضو ہی نہیں ہوا تو پھر غور کا مقام ہے کہ نماز کیسے ہوگی؟

اس اہمیت کے باوجود تینوں آئمہ دین میں کس قدر اختلاف ہے۔

حضرت امام مالکؒ کی پیروی کرنے والوں کے پاس حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کی اتباع کرنے والوں کا وضو ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنے والوں کے پاس حضرت امام شافعیؒ کی اتباع کرنے والوں کا وضو ہی نہیں ہوا۔

ایسی صورت میں کیا حضرت امام مالکؒ کی پیروی کرنے والے کی نماز حنفی امام کے پیچھے جس کا وضو پورا نہیں ہوا ہو سکتی ہے؟ کیونکہ مالکی اعتقاد کے تحت حنفی امام بے وضو ہے۔ اسی طرح حنفی مقتدی کی نماز شافعی امام کے پیچھے جس کا وضو ہی پورا نہیں ہوا' ہو سکتی ہے؟

اگر حنفی اپنے امام کا سچا اور پکا پیرو ہے تو اس کی نماز شافعی امام کے پیچھے ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ حنفی اعتقاد کے تحت شافعی امام بے وضو ہے۔

(۲) اسی طرح کوئی باوضو شخص فصد لے یعنی ہاتھ کی شریان سے فاسد خون نکالے یا پچھنے لگائے یعنی پھوڑے پر جونک لگا کر فاسد خون' پیپ نکالے یا اس کے کسی حصۂ جسم سے خون خارج ہو تو حضرت ابوحنیفہ امام اعظمؒ کے مذہب کی رُو سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ برخلاف اس کے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فصد لینے یا پچھنے لگانے یا کسی حصۂ جسم سے خون خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

چنانچہ باجوری فقہ شافعی میں لکھا ہے کہ

''پیشاب یا پاخانہ کے مقام کے سوا دوسرے حصۂ جسم سے نجاست خارج ہونے مثلاً فصد لینے یا پچھنے لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا''

پس اگر کوئی شافعی المذہب مسلمان فصد لینے یا پچھنے لگانے کے بعد اپنے مذہب کے مطابق وضو کئے بغیر نماز پڑھانے کے لئے امام ہوجائے تو کوئی حنفی المذہب مسلمان اس امام کی اقتداء نہیں کرسکتا کیونکہ حنفی المذہب کے اعتبار سے شافعی المذہب امام بے وضو ہے۔

(۳) اسی طرح رکوع وسجود والی نماز میں قہقہہ کرنے سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

چنانچہ کتاب الفقہ علی مذاہب الائمۃ الاربعہ میں لکھا ہے کہ

''حنفیہ کا قول ہے کہ نماز میں قہقہہ کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قہقہہ یہ ہے کہ ایسی آواز سے ہنسے کہ بازو والا سن لے۔ پس قہقہہ سے نماز باطل ہوجائے گی اور وضو ٹوٹ جائے گا''

برخلاف اس کے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں قہقہہ کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ باجوری فقہ شافعی میں لکھا ہے کہ

''نماز میں قہقہہ کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جو روایت اس کے ناقص ہونے کی نسبت آئی ہے وہ ضعیف ہے۔''

پس اگر کوئی شافعی المذہب نماز میں قہقہہ کرے اور قہقہہ کرنے کے بعد دوبارہ وضو کے بغیر نماز پڑھنے کے لئے امام ہوجائے تو حنفی المذہب مقتدی اس امام کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کے مذہب کی رُو سے امام بے وضو ہے اور نماز باطل۔

(۴) اسی طرح حضرت ابوحنیفہ امام اعظمؒ کے پاس منی نجاست غلیظہ ہے اگر جسم پر یا کپڑے پر لگی ہوئی ہے تو اس کو دھونا اور پاک کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ جب طہارت ہی حاصل نہ ہو تو نماز ہی نہ ہوگی۔ برخلاف اس کے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک منی نجس نہیں ہے بلکہ پاک ہے' صرف خشک ہوجانا کافی ہے دھونے کی شرط نہیں ہے۔

ایسی صورت میں اگر شافعی المذہب امام جو اپنے جسم اور کپڑے کو دھوکر منی سے پاک نہ کیا ہو اس کے پیچھے حنفی المذہب مسلمان کی نماز کسی صورت میں جائز نہ ہوگی بلکہ باطل ہوجائے گی۔

(۵) اسی طرح توجہ الی القبلہ کی شرط' وضو کے پانی کے کثیر اور قلیل ہونے کے مسائل' نجاست کے مسائل' نماز میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا اور نہ پڑھنا وغیرہ میں کثرت سے اختلافات موجود ہیں جس کی وجہ ایک دوسرے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

طہارت ونماز کے یہ تمام مسائل واختلافات اہل سنت والجماعت کے مسلمہ ہیں۔ اقتداء کے ناجائز ہونے کی ان چند مثالوں کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ ایسی صورت میں مہدوی المذہب کی نماز غیر مہدوی المذہب کے پیچھے کیسے درست اور جائز ہوسکتی ہے جب کہ بنیادی طور پر اعتقاد ہی میں اختلاف ہے۔

اقتداء پر عقائد کا اثر

جس طرح صحیح نماز اور جائز اقتداء کے لئے ظاہری طہارت اور ظاہری ارکان وشرائط کا لزوم ہے اُسی طرح اقتداء کے لئے عقائد کا درست اور صحیح ہونا یعنی باطنی پاکی بھی لازمی ہے۔

مثال کے طور پر ایک مشرک یا اہل کتاب یا کوئی شخص بھی جو مسلمان نہ ہو طہارت اور نماز کی ظاہری تمام شرائط مکمل کرے یعنی اس کا لباس اور جسم پاک ہو، قبلہ کی طرف رخ کرے اور تمام ارکان نماز مثلاً قیام، قراءت، رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ پورے طور پر ادا کرے تو بھی مسلمانوں کے اعتقاد میں اس مشرک کافر کی اقتداء سے کوئی مسلمان جان بوجھ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا کفر وشرک، دوسرے الفاظ میں اس کا فسادِ اعتقاد یعنی بداعتقادی نماز کو باطل کردے گی۔ اور اقتداء قطعاً جائز نہ ہوگی۔

چنانچہ کتاب الفقہ علیٰ مذاہب الائمۃ الاربعہ میں اس بات کا قطعی فیصلہ ہے کہ

''جماعت صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں جن میں سے اسلام بھی ہے پس کافر کی امامت درست نہیں ہے''

اسی اصول کے تحت علماء اصول اور آئمہ دین کا متفقہ مسئلہ ہے کہ ''نماز کے درست اور اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے امام میں اعتقاد کی پاکی لازمی ہے جس کے نہ ہونے سے نماز درست نہ ہوگی بلکہ باطل ہو جائے گی۔

ف باطنی پاکی یا فساد اعتقاد کے متعلق علماء اصول وحدیث اور آئمہ دین نے ایک ضابطہ (قانون) قرار دیا ہے کہ

''جس شخص میں جو نقصِ اعتقاد پایا جائے اگر وہ ایسا ہے کہ اس سے کفر لازم آتا ہے تو ایسے شخص کی اقتداء نماز میں جائز نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص عابد، زاہد، نمازی، قاری، حافظِ قرآن، پابند صوم وصلوٰۃ اور تہجد گزار سب کچھ ہے مگر صرف ایک بات کہ شراب جو قطعی حرام ہے اس کو حلال سمجھتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے اعتقاد میں فساد اور نقص پیدا ہو گیا۔ شراب کو حرام قطعی کے بجائے حلال سمجھنے کی وجہ سے نقص اعتقاد پیدا ہو گیا ہے اس کی وجہ اس کی تمام نیکیاں اور بزرگیاں برباد ہو گئیں اور کفر لازم آ گیا۔ پس ایسے شخص کی اقتداء قطعاً جائز نہ ہوگی۔

اس کی چند مثالیں آئمہ دین کی مسلمہ کتابوں کے حوالہ سے اور دیکھ لیجئے۔ چنانچہ ''کفایہ شرح ہدایہ فقہ حنفی فصل امامت'' میں لکھا ہے کہ

'جہمی اور قدری جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہے اور وہ غالی رافضی جو ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے''

غور کا مقام ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر کے پیچھے جب نماز جائز اور درست نہیں ہے تو حضرت امام مہدی موعود خلیفۃ اللہ کے منکر کے پیچھے نماز کیسے جائز ہو جائے گی؟ قطعی جائز نہیں ہے۔

اس طرح کتاب المعتبر المنتہٰی شرح دقائق میں لکھا ہے کہ۔

''کافر کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی ہے اگر چہ کہ اس کے کفر سے لاعلمی ہو کیونکہ کافر کی نماز مقتدی کے لئے صحیح نہیں ہے۔خواہ وہ اصلی کافر ہو یا کسی بدعت وغیرہ کی وجہ سے مرتد ہو''

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ

''فاسق کی امامت صحیح نہیں ہے خواہ اس کا فسق اعتقاد کے لحاظ سے ہو یا محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو مومن ہے کیا وہ فاسق کے جیسا ہوگا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔''

نیز ابن ماجہ کی حدیث جو جابرؓ سے مروی ہے کہ

''عورت مرد کی امامت نہ کرے اور نہ اعرابی' مہاجر کی اور نہ فاجر مومن کی''

فقیر تارک الدنیا کی امامت افضل مانی گئی ہے۔مگر ایسا فقیر جو بدنظر ہو' زانی ہو' چور ہو' حرام خور ہو' سوال کرنے اور مانگنے والا ہو' بہتان باندھنے والا جھوٹا ہو اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ تمام باتیں فقیری کو توڑنے والی ہیں۔اس کی فقیری باقی نہیں رہتی بلکہ ایسا فقیر فاسق اور فاجر کہلاتا ہے۔

ف محمد بن علی حلبی نے حضرت ابوعبداللہؒ سے روایت کی ہے کہ

''آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھو جو تم کو کافر کہے اور نہ اس کے پیچھے پڑھو جس کو تم کافر جانتے ہو'' (**مفتاح الشفاء اقامة الصلوٰة والجماعة**)

ان تمام احکام سے ثابت ہو رہا ہے کہ قریباً تمام اہل مذاہب کے نزدیک کسی ایسے شخص کی اقتداء نماز میں جائز نہیں ہے جس پر موجبات کفر لازم آتے ہوں۔فقہ حنبلی اور فقہ شیعی میں تو فاسق کی اقتداء بھی ناجائز ہے۔حالانکہ فسق تو کفر کے برابر کا مذہبی گناہ نہیں ہے۔

یہ تمام احکام آئمہ دین کے ہیں جو قرآن وحدیث کی روشنی میں صادر کئے گئے ہیں اور تمام اہل سنت والجماعت کے مسلمہ ہیں۔ایسی صورت میں آئمہ دین اور علماء اصول وحدیث کے ضابطہ کے تحت کہ ''جس شخص میں جو نقص اعتقاد پایا جائے جس سے کفر لازم آتا ہے تو ایسے شخص کی اقتداء نماز میں جائز نہیں ہے'' یہ ضابطہ اور قانون تو تمام اہل سنت والجماعت کا مسلمہ ہے۔جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض اسی مسلمہ ضابطہ اور قانونِ شرعی کے تحت مہدوی المذہب مسلمان کی نماز غیر مہدوی المذہب کے پیچھے قطعاً جائز نہیں بلکہ باطل ہے۔

کیا کسی مسلمان پر کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے

کفر ایک شرعی اصطلاحی لفظ ہے جو اسلام و ایمان کے مقابل کا نام ہے۔ وہ باتیں جو ایمان اور اسلام کے خلاف ہیں موجبات کفر کہلاتی ہیں۔کفر و ایمان کا اطلاق اشخاص سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اوصاف سے تعلق رکھتا ہے۔

جس میں جو اوصاف پائے جائیں اس پر وہی حکم عائد ہوگا جس طرح ایک شخص میں بیماری کی علامات پائی جائیں تو اس کو بیمار کہنا اور صحت کی علامات پائی جائیں تو اس کو تندرست کہنا صحیح ہے۔اسی طرح ایک کافر میں علامات و شرائط ایمان پائے جانے سے اس کا مومن ہوجانا ممکن ہے اور ایک مومن میں کفر کی علامات پائی جانے سے اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔

اسی اصول پر علم فقہ اور علم کلام کی کتابوں میں اسباب و موجباتِ کفر سے بحث کی جاتی ہے اور جن صورتوں میں کفر لازم آجاتا ہے وہ تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

ف جو باتیں کفر کی علامت یا موجبات ہیں۔کسی شخص میں ان تمام کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے کوئی بھی بات پائی جائے تو کفر لازم آجائے گا۔

ف خدائے تعالیٰ اور رسول مکرم صلعم کے قطعی احکام سے انکار کرنا یا خدائے تعالیٰ اور رسول مکرم صلعم کے بعض احکام کو ماننا اور بعض سے انکار کرنا یقیناً خدا اور رسول ﷺ سے بغاوت ہے۔اسی بغاوت کو دینی اور مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں۔اگر کسی مسلمان میں خدا اور رسولؐ سے بغاوت کی علامتیں یا وہ باتیں جو ایمان اور اسلام کے خلاف پائی جائیں تو اس پر یقیناً کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے اور ہونا چاہئے۔

چنانچہ علم کلام کی مشہور کتاب ''شرح مقاصد'' میں لکھا ہے کہ

''اُس اہل قبلہ (مسلمان) کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو عمر بھر طاعت و عبادت کرتا رہے۔لیکن عالم کے قدیم ہونے اور حشر نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہ ہونے کا یا اسی قسم کا کوئی اعتقاد رکھتا ہو یا اس سے موجباتِ کفر سے کوئی شئے صادر ہوجائے۔

طحطاوی حاشیہ درالمختار (فقہ حنفی) میں لکھا ہے کہ

''یوم حشر کا انکار، نبی صلعم کا انکار یا ان باتوں کا جو رسول اللہ ﷺ سے ضروری طور پر معلوم ہوئے ہوں، محرمات کو حلال جاننا اور تمام ضروریات دین اور شرع کے اہم امور کا انکار کرنا اہل قبلہ (مسلمان) کے کافر ہونے میں کوئی نزع (اختلاف) نہیں ہے''

یہ تمام احکام ہمارے نہیں ہیں بلکہ آئمہ دین اور علماء اصول وحدیث نے قرآن وحدیث کی روشنی میں دیئے ہیں۔ جو تمام اہل سنت والجماعت کے مسلمہ ہیں۔

ان تمام احکام سے صاف ثابت ہورہا ہے کہ کسی مسلمان میں موجبات کفر سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے تو اس کے کافر

ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ متفقہ طور پر کفر کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت کا مشہور واقعہ اس کی صاف مثال ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کے پردہ فرمانے کے بعد بعض قبائل عرب نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ان کے متعلق سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے جہاد کروں گا۔ اگرچہ کہ دوسرے صحابہ کو اولاً اختلاف رائے تھا۔ مگر بعد میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر کے حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے اتفاق کیا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے مرتد سمجھے گئے۔ اور ان سے جہاد کرنا جائز سمجھا گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

ظاہر ہے کہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے توحید و رسالت کے قائل تھے۔ نماز پڑھنے کا بھی اقرار تھا۔ صرف ایک زکوٰۃ کے حکم سے انکار کرنے کی وجہ ان کے مرتد ہونے اور ان سے جہاد کرنے کا جمہور صحابۂ رسول اللہ صلعم نے فیصلہ کیا اور قریباً تمام مسلمان اور خصوصاً اہل سنت مسلمان اس فیصلہ کو حق مانتے ہیں۔

ان تمام احکامات سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ کسی مسلمان میں خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول مکرم صلعم کے کسی حکم کی نافرمانی اور انکار یا وہ باتیں جو ایمان اور اسلام کے خلاف پائی جائیں یا وہ باتیں جو کفر کی علامت یا موجباتِ کفر سے ہیں، پائی جائیں تو اس پر یقیناً کفر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

کفر کے احکام

آیاتِ قرآنی اور احادیث رسول ربانی صلعم کی روشنی میں علماء اصول و حدیث نے کفر کے تین درجے مقرر کئے ہیں اور ہر درجہ کے احکام بھی مختلف بیان کئے ہیں۔

(۱) پہلا درجہ کفر کا یہ ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کو نہیں مانتا یا وہ مشرک جو کئی خداؤں کو مانتا ہے یا خدائے تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانتا پس وہ کافر ہے۔

اس پہلے درجے کے کافروں کی نسبت یہ حکم ہے کہ

''ایسے کافروں کا ذبح کیا ہوا جانور مسلمانوں کو کھانا جائز نہیں ہے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کا نکاح جانبین سے درست نہیں۔ مسلمانوں میں اور ان میں وراثت جاری نہ ہوگی۔ مسلمانوں کے بعض معاملات میں ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ ان کو عذابِ قبر سے نجات نہیں''

(۲) دوسرا درجہ کفر یہ ہے کہ اہل کتاب جو خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان رکھتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو مانتا ہے مگر حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت و رسالت کا منکر ہے وہ بھی کافر ہے۔

اس دوسرے درجے کے کافروں کی نسبت یہ حکم ہے کہ

''اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور مسلمانوں کو کھانا جائز نہیں ہے'' ان سے ایک طرفہ نکاح صحیح ہے یعنی کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کو نکاح کرنا درست ہے۔ مسلمانوں میں اور ان میں وراثت جاری نہ ہوگی۔ مسلمانوں کے بعض معاملات میں ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ ان کو عذاب قبر سے نجات نہیں''

(۳) تیسرا درجہ کفر کا یہ ہے کہ ایک شخص خدائے تعالیٰ کی ذات اور توحید اور انبیاء علیہم السلام کی ذات اور توحید اور انبیاء علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت اور رسالت پر ایمان رکھتا ہے لیکن خدا اور رسول ﷺ کے کسی ایسے ضروری اور قطعی حکم کا جس کا ماننا ضروری ہے' منکر ہے یا موجباتِ کفر میں سے کوئی بات اس میں پائی جاتی ہے تو وہ بھی کافر ہے۔

اس تیسرے درجے کے کفر کی نسبت یہ حکم ہے کہ

''ان کی اقتداء عبادات میں جائز نہ ہوگی۔ ان کو عذاب آخرت سے نجات نہیں۔ اسلامی معاملات میں ان کی گواہی قبول ہوگی ان میں دوسرے مسلمانوں میں وراثت جاری ہوگی''

ان احکام سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ بعض اسباب کفر ایسے ہیں جن کے پائے جانے سے اسلام ہی سلب (ختم) ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ بعض اسباب کفر ایسے ہیں جن سے ظاہری احکام سلب نہیں ہوتے مگر نقص اعتقاد پیدا ہو کر تمام نیکیاں اور عبادتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ تیسری یہ کہ کافر کی اقتداء نماز میں درست نہیں۔ حتیٰ کہ کفر کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ بھی۔ اگر چہ کہ اس سے وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج نہ ہو لیکن نماز میں اس کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

یہ تمام احکام جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے مسلمہ ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آئمہ دین کے ان ہی احکام کے تحت مہدوی المذہب مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور عمل بھی ہے۔

اسلام وایمان دونوں ایک ہیں؟

بعض آئمہ کے پاس اسلام وایمان دونوں ایک ہیں۔ اور بعض کے نزدیک بعض اعتبارات سے اسلام عام اور ایمان خاص ہے۔

چنانچہ حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ

''باعتبار لغت اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ گویا ایمان سے مراد اسلام کے اعلیٰ اجزاء ہیں۔ پس ہر مومن مسلم ہے اور ہر مسلم مومن نہیں ہے''

اسی طرح اور لکھا ہے کہ

''دین کا مفہوم اسلام وایمان واحسان تینوں کو شامل ہے اسلام ادنیٰ ہے' ایمان متوسط ہے' احسان اعلیٰ ہے۔ پس ہر محسن مومن

و مسلم ہے اور ہر مومن مسلم ہے لیکن ہر مومن کا محسن ہونا اور ایسا ہی ہر مسلم کا مومن ہونا لازمی نہیں ہے۔‘‘

غرض ایمان و اسلام کو ایک ماننے والے یا ان دونوں میں عام و خاص کی تقسیم کرنے والے دونوں گروہ بھی اس تیسرے درجہ کے کفر کے احکام سے متفق ہیں۔

اقتداء کے جائز یا ناجائز ہونے میں مقتدی کے مذہب کا حکم اہم ہوتا ہے

ایسے مسائل میں جن کی نسبت آئمہ کے درمیان اختلاف ہے اقتداء صحیح اور درست ہونے یا نہ ہونے کے لئے مقتدی کی رائے کو مذہباً اہمیت ہے۔ امام کی رائے کا اعتبار نہیں کیا جاتا یعنی مقتدی کے مذہب کی رُو سے امام میں کوئی بات ایسی پائی جائے جو ناقص وضو یا مانع طہارت یا مفسدِ نماز یا موجبِ کفر ہو تو مقتدی کی نماز اس امام کے پیچھے درست نہ ہوگی۔ اگرچہ کہ امام کے مذہب میں وہ بات یہی حکم رکھتی ہو یا نہ ہو۔

چنانچہ رسالہ غایۃ التحقیق نہایۃ التدقیق کتاب میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

’’صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ.......... کہتے ہیں کہ اگر مقتدی کو امام میں کوئی بات معلوم ہو جو اس کے نزدیک نماز کے جائز نہ ہونے کی ہو تو اس امام کی اقتداء جائز نہیں ہے اس لئے کہ نماز کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں مقتدی کی رائے معتبر ہے امام کی رائے معتبر نہیں ہے‘‘

فقہی مسائل میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان ہی مسائل کو لیجئے جو اس سے پہلے ذکر کئے گئے ہیں۔ جیسے کوئی حنفی المذہب شخص کسی ایسے شافعی المذہب امام کی اقتداء میں نماز پڑھے جس نے فصد لیا ہو اور اس کے جسم سے خون بہا ہو اور وہ امام یہ خون نکلنے کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے ایسی صورت میں حنفی المذہب مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی رائے میں امام بے وضو ہے۔ اور اس کی نماز فاسد ہے اگرچہ کہ شافعی المذہب امام کی رائے میں وہ بے وضو نہیں ہے۔

چنانچہ کتاب **الفقہ علی المذہب الائمۃ الاربعہ** میں **مبحثِ الصلوٰۃ خلف المخالف فی المذاہب** کے تحت لکھا ہے کہ

’’اقتداء صحیح ہونے کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مقتدی کے مذہب کی رُو سے امام کی نماز درست ہونی چاہئے۔ اگر حنفی کسی ایسے شافعی کے پیچھے نماز پڑھے جس کے جسم سے خون نکلے اور اس کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے یا کوئی شافعی کسی ایسے حنفی کے پیچھے نماز پڑھے جس نے مثلاً عورت کو چھو لیا ہو تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی رائے میں امام کی نماز باطل ہے‘‘

اسی طرح کتاب الانوار الاعمال الابرار میں اقتداء کی شرائط کے بیان میں لکھا ہے کہ

’’شرط لازمی یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کے اعتقاد کے موافق صحیح ہو‘‘

ف اسی طرح موجبات کفر یعنی جن باتوں سے کفر لازم آتا ہے تو ایسی صورت میں بھی یہی اصول برقرار رہتا ہے کہ اگر مقتدی کی رُو سے امام میں کوئی بات موجبِ کفر پائی جائے تو مقتدی کو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں ہے خواہ وہ بات امام کے مذہب میں کفر نہ ہو۔

چنانچہ درالمختار فقہ حنفی میں لکھا ہے کہ

''اگر ضروریاتِ دین کا انکار کرے تو کافر ہو جائے گا جیسے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کی طرح جسم ہے یا وہ ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرے تو اس کی اقتداء کبھی صحیح نہیں''

اسی حکم کے تحت جو فرقہ اسلامیہ صحابیّت صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر ہے وہ خود کو اس اعتقاد کی وجہ کافر نہیں سمجھتا' لیکن فقہ حنفی کے اس حکم کے نظر کرتے چونکہ یہ اعتقاد موجب کفر ہے اس لئے ایک حنفی کو اپنے اعتقاد کے تحت اس شخص کی اقتداء درست نہ ہوگی۔ جس میں یہ موجباتِ کفر پائے جاتے ہوں۔

ف علماء اصول اور ائمہ حدیث کا یہ قطعی اور متفقہ فیصلہ ہے کہ

''حدیثِ متواتر کا انکار کفر ہے''

چنانچہ اصول فقہ کی معتبر کتاب ''اصول الشاشی'' میں لکھا ہے کہ

''حدیثِ متواتر سے علم قطعی واجب ہوتا ہے اور اس کا انکار کفر ہے''

ان ہی فیصلوں کے تحت فتاویٰ قاضی خاں جلد ۳ فقہ حنفی میں لکھا ہے کہ

''جو شخص حدیثِ متواتر کا انکار کرے پس وہ کافر ہے''

یہ تمام احکام واعتقادات مذہب مہدویہ کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ علماء اصول وآئمہ حدیث کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور تمام علماء اہل سنت والجماعت کے مسلمہ ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان احکام واعتقادات کے نظر کرتے غور کیجئے کہ اقتداء اور نماز کا مسئلہ کس قدر اہم ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ان ہی احکام پر مہدوی سختی سے عمل کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدوی المذہب مسلمان کی نماز غیر مہدوی المذہب کے پیچھے درست نہیں بلکہ باطل ہے۔

ف اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا انکار کفر ہونے کا مسئلہ بھی مہدویوں کا بنایا ہوا ہے۔ اس مسئلہ میں بھی علماء اصول وآئمہ حدیث نے احادیثِ حضرت رسول اللہ صلعم کے تحت جو احکام دیئے ہیں اس کا مہدوی اتباع کرتے ہیں۔

چنانچہ مجموعہ احادیث کی مشہور کتاب ''عقدالدرر'' میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے یہ حدیث لکھی ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دجال کے وجود کو جھوٹ سمجھا وہ کافر ہے اور جس نے مہدیؑ کو جھٹلایا وہ کافر ہے''

حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر غور کیجئے کہ اس حکم میں آئمہ دین کا دخل نہیں ہے بلکہ خود حضور اکرم صلعم فرما رہے ہے

ہیں کہ

''امام مہدیؑ کا انکار کفر ہے''

اس کے علاوہ ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب ''شرح البیئر'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔ برزنجی اور شیخ امام نورالدین احمد بن محمود بخاری صابونی نے ''ہدایت الکلام'' میں ان الفاظ سے لکھا ہے کہ

''جس نے مہدی علیہ السلام کا انکار کیا وہ کافر ہے''

دیکھا آپ نے اس حدیث شریف کو کتنے آئمہ حدیث نے اور محدثین نے متفقہ اور مستند طور پر لکھا ہے۔

اسی طرح خواجہ محمد پارسا نے ''فصل الخطاب'' میں لکھا ہے کہ

''جس نے مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انکار کیا تو گویا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس سے کافر ہوا اور جس نے عیسیٰ بن مریم کے نزول کا انکار کیا وہ کافر ہوا''

اس کے علاوہ حضرت امام ابوبکر اسکافؒ نے ''فوائد اخبار'' مشہور حدیث کی کتاب میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرت رسول اللہ صلعم نے کہ

''جس شخص نے ظہور مہدی علیہ السلام کا انکار کیا گویا کفر کیا اس چیز کے ساتھ جو محمد صلعم پر نازل کی گئی (یعنی قرآن مجید)

ان احادیث صحیحہ کو امام ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب ''شرح البیئر'' میں لکھا ہے اور اسی طرح ''فصل الخطاب'' میں بھی لکھا ہے۔

ان احادیث صحیحہ سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا انکار کفر ہے۔

اگر چہ کہ انکار کرنے والا کیسا ہی عابد و زاہد، صالح و متقی ہو اللہ اور رسول علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کرے اس کے تمام اعمالِ صالح، تمام نیکیاں، عبادتیں، ریاضتیں، اور تہجد گزاریاں سب برباد ہو جاتی ہیں کیونکہ اس نے حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا انکار کر کے احادیث حضرت رسول اللہ صلعم کا انکار کیا جو متواتر کا درجہ رکھتی ہیں۔ گویا اس نے حضرت رسول اللہ صلعم کے فرمان کا انکار کیا جو ضروریات دین سے ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

''امام مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروریاتِ دین سے ہے۔ وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرو اگر چہ کہ تم کو برف کے پہاڑوں پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے''

اللہ اللہ کس قدر تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ انصاف کا مقام ہے۔

حضرت رسول اللہ صلعم کے اس فرمان کا انکار اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار، اور اللہ تعالیٰ کی مراد کا انکار ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یعنی ان کے تمام اعمال برباد ہو گئے۔

خدا اور رسول مکرم صلعم کے یہی احکام اعتقاد کی بنیاد ہیں۔ ان ہی احادیث صحیحہ پر آئمہ حدیث اور علماء اصول اور محدثین متفق

الاعتقاد ہیں۔اور مہدی المذہب مسلمانوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔

ان ہی احکام خدا اور رسول مکرم صلعم کی مہدوی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔اور ان ہی احکام کے تحت مہدوی المذہب مسلمان غیر مہدوی المذہب مسلمان کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے تو کون سی اعتراض کی بات ہے؟

اقتداء کے مسئلہ پر خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلعم اور آئمہ دین کے جو احکام ہیں ان کے نظر کرتے اس کی تعمیل کرنے والے مہدوی المذہب مسلمانوں پر اعتراض کرنا گویا آئمہ دین اور خدا اور رسول صلعم کے احکام پر اعتراض کرنے کے برابر ہے۔غور اور انصاف کا مقام ہے۔

ف یہاں یہ سوال پیدا کیا جاسکتا ہے کہ حقیقت میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے انکار سے کفر ہو جائے گا۔کیوں کہ احادیث متواتر المعنی کا انکار کفر ہے۔مگر کیا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) کا انکار کفر ہوسکتا ہے؟

اس مسئلہ کی تفصیلی بحث اور احادیث صحیحہ، آئمہ حدیث، علماء اصول، محدثین کی مستند کتابوں اور تاریخی معتبر کتابوں کی سند اور حوالہ سے ''ہمارا مذہب حصہ اول'' کتاب میں کردی گئی ہے اور ثابت کردیا گیا ہے کہ

> ''حضور سرورکونین حضرت رسول اللہ صلعم سے حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کے بارے میں جس قدر بشارات، علامات، صفات اور دعوت وغیرہ کی احادیث صحیحہ بیان کی گئی ہیں وہ سب حضرت امامنا سیدنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام (جونپوری) پر پوری پوری ثابت ہوتی ہیں۔اور صادق آتی ہیں۔حتیٰ کہ کلمہ شہادت سے ظہور مہدی علیہ السلام کے زمانے کا بھی تعین ثابت کردیا ہے'' ملاحظہ ہو۔

جس طرح بموجب بشارت توریت وانجیل خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لا چکے اسی طرح بموجب وعدہ ربانی واحادیث صحیحہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن تشریف لا چکے۔

ان تمام حقائق اور کامل صداقت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ آپؑ ہی کی مقدس ذاتِ مہدی موعود امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن ہے۔حق اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا.

اس کے باوجود آپؑ کی مقدس ذات کا انکار کیا جائے تو کیا کفر نہیں ہوگا؟ یقیناً وایماناً آپؑ کی مقدس ذات کا انکار کفر ہے۔

احکام خدا اور رسول مکرم صلعم آئمہ حدیث ومحدثین اور آئمہ دین کے فیصلوں کے تحت بنیادی اعتقاد موجبات کفر کی وجہ مہدوی المذہب مسلمان کی نماز غیر مہدوی المذہب مسلمان کے پیچھے درست نہیں بلکہ باطل ہے۔

ان ہی احکام کے تحت مہدوی المذہب مسلمان کا مذہبی اور دینی فرض ہے کہ غیر مہدوی المذہب مسلمان کی نماز میں اقتداء نہ کرے اور اپنی نمازوں کو باطل ہونے سے بچائے۔فقط